عہد پیری شباب کی باتین
ایسی ہین جیسی خواب کی باتین

فتح اودہ

لفہ محمد احمد علی صاحب بی اے

ٹر و پبلشر منشی سجاد علی علوی۔

سنہ ۱۹۱۲ء

ا ناظر پریس واقع لکھنؤ مین طبع ہوا

چیدہ لٹریچر (رعایتی قیمت)

شباب لکھنو (تاریخ) قسم ۱ عہ ر قسم ۲ ۱۲ ر
قع اودھ (ناول) قسم ۱ ۸ ر قسم ۲ ۶ ر
ریخ تمدن مجلد ۱۲ ر غیر مجلد ۸ ر
و فقیہ (قصہ) ۳
فہ کی تعلیم ۱
دشید ہدیہ ۱
قع لیلےٰ مجنون ۴
سم و زہرہ (ڈراما) قسم ۱ ۱۲ ر قسم ۲ ۸ ر قسم ۳ ۵
ہرا ر رنگون (ناول) ۱
سائنس و اسلام
ن ناحق (ناول)

تصانیف مولانا شبلی نعمانی

مامون
سیرة النعمان
الفاروق
غزالی
انح مولانا روم قسم ۱ عہ ر
موازنہ انیس و دبیر
علم الکلام
کلام
رسائل شبلی
نگ زیب عالمگیر قسم ۱ ۱۰ ر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مرقع اودھ

یہ وہ قصہ نہیں کچھ جھوٹی سچی جسمیں باتیں ہوں
بیاں پردرد ہی گذری ہوئی اگلی کہانی ہی

لکھنؤ میں مسلمانوں کی بادشاہت" ایک خیال تھا کہ دماغ مین آیا اور نکل گیا۔ ایک خواب تھا کہ پوری طرح دیکھنے بھی نہ پائے تھے جو آنکھ کھل گئی اور تعبیر پوچھتے پوچھتے بھول بھی نہیں نہیں۔ ایک طلسم تھا۔ دم کے دم میں بنا اور ایسا بنا کہ جسکا ہر کارخانہ سامری کے عجا... چشمک زن تھا اور پھر چشم زدن میں مٹا اور ایسا مٹا کہ کہیں نام و نشان تک باقی نہ رہا ...ہ کون لوگ تھے۔ کیا ساز و سامان رکھتے تھے جنھوں نے یہ طلسم بنایا تھا۔ ابھی بادشاہت برا... کیا کچھ ...ں صدی بھی پوری نہیں ہوئی۔ تیرے آدمی ابتک زندہ ہیں جو اپنے چشم دید حالات ...ن کرتے اور "مستم از بادۂ شبانہ ہنوز" کی صدا سُنا سُنا کے روتے رُلاتے ہیں۔ تاریخ کی ...ہیں بھی کچھ نہ کچھ موجود ہیں جنہیں "ذکر جوانی در پیری" یاد دلانیوالے واقعات تھوڑے ...ت قلمبند ہیں۔ لیکن زمانے کا رنگ ایسی جلد پلٹا ہی کہ زبانی روایتیں حکایتیں سنتے ...ں تو کوہ قاف اور راجہ اندر کے اکھاڑے کا سماں نظروں کے نیچے پھر جاتا ہی اور تاریخیں ...ھتی ہیں تو انھیں امیر حمزۂ صاحبقراں کی داستان اور افراسیاب جادو کی نیرنگ سازی کا مزا ...ہی عقل حیران ہوتی ہی کہ اتنی جلد یہ کایا پلٹ کیسے ہوئی اور زمین آسمان کیونکر بدل گئے دل ...ل ہی نہیں کرتا کہ ابھی چالیس پینتالیس برس اُدھر اسی لکھنؤ میں مسلمانوں کی یہی نکبت زدہ قوم برسر

اقتدار وحکومت تھی اور گلی گلی کنچن برستا تھا۔ اس زمانے کے فرسودہ حال بڑے بوڑھون سے پوچھتے ہین تو وہ اک آہ سرد بھر کے بس اتنا سنا دیتے ہین کہ "اریمیان وہ گلی کوچے ہی نہین رہی۔ وہ چلنے پھرنے والے ہی اُٹھ گئے زمانے نے نئی بساط بچھائی ہی۔ ہائے امیر مرحوم کیا خوب فرما گئے ہین ؎

بڑھ گئی کھدنے سے زیادہ اور شان لکھنؤ
لامکان ہی اندنون ہر اک مکانِ لکھنؤ

کہتے ہین جسطرح انسانون اور حیوانون کی زندگی کے کئی دورے ہوتے ہین بچپن شباب۔ جوانی۔ کہولت او شیخوخیت اُسی طرح ملکون سلطنتون۔ اور قومون کی بھی عمر ہوا کرتی ہی اور اُسمین بھی ایسے ہی دورے … تے ہین لکھنؤ کی بادشاہت کی بھی ایک عمر ہوئی پہلے بچپن ہوا۔ پھر شباب آیا۔ اور شباب کے آتے ہی جوانی کہولت شیخوخیت … اور موت سبکا پیش خیمہ آگیا۔ بلکہ یہ کہنا چاہیئے کہ ؎

سنبھالے ہوش تو … کا حسینون پر
اُسے تو موت ہی آئی شباب کے بدلے

کیا ہوا۔ اکثر دیکھا گیا ہی انسان جوش نوجوانی اور عنفوان شباب کی سرشوری مین … ذاعتدالیان کر گزرتا ہی کہ اُسیوقت سی طبیعت کو اک روگ لگ جاتا ہی پھر جب تک قدرتی بدن کا زور چلتا ہی ہشاش بشاش توانا و تندرست رہتا ہی۔ ادھر کہولت صورت دکھائی اُدھر دبی ہوئی آگ بھڑک اُٹھی۔ امراض کا نرغہ شروع ہوگیا۔ پُر دائی ہوا اور پرانی چوٹ اُبھر آئی زخم پھر آئے ہوگئے رستا سور پھر ٹپکنے لگا۔ بعینہ یہی حال لکھنؤ کی بادشاہی کا ہوا جو زمانہ عنفوان شباب کا تھا۔ جب دل سے دیدے تک بہار آئی ہوئی تھی۔ ہر …

اطمینان تھا۔ رقیب و راہزن کا کھٹکا نہ تھا اور اسکا موقع تھا کہ ہمت اور اولوالعزمی اپنے جوہر دکھاتی۔ عروس سلطنت کا بناؤ سنگار۔ کیا جاتا۔ اُسیوقت بد اعتدالیان بڑھین۔ بیخودی اور سیہ مستی نے اپنا رنگ جمایا۔ عیش وعشرت کے چرچے زیادہ ہوے صحبت کا رنگ بگڑا۔ اصحاب دانش وبینش کنارہ کش۔ ارباب نشاط مجرائیون مین داخل ہوے۔ شمع حیات نے صبح پیری کا انتظار بھی نہ کیا۔ سر شام ہی سے جھلملانے لگی۔ بلکہ یون کہنا چاہیئے کہ ؎

روح قالب مین جو آئی تو قضا بھی آئی

شمع کے ساتھ ہی محفل مین ہوا بھی آئی

اگرچہ مسلمانون کی قوم کی ترقی وتنزل کی داستان ہر حصۂ دنیا مین سراپا حیرت اور سراپا عبرت ہی لیکن ہندوستان کی اسلامی شہنشاہی اور اُسکے تمام شعبے تو نیرنگی زمانہ کے عجائب نمونے تھے۔ دہلی۔ آگرہ۔ لکھنؤ۔ اور اسی قسم کے دوسرے شہر وقصبے، ذرا جا کے کوئی پرانے آثار ونشانات دیکھے تو اُسے خود معلوم ہو جائیگا کہ یہ تباہی زدہ قوم اپنے وقتو مین کیا کچھ طلسمات باندھ چکی ہی۔

اللہ اللہ یہ وہی مسلمان تھے جو سوکھی کھجورین اور جو کے ستو کھا کھا کے عرب کی جلتے بھنتے ریگستانون سے کشور کشائی اور ہفت اقلیم کی فرمانروائی کے پرچم اُڑاتے چلے تھے اُنھین کو بھائی بندون نے۔

"ز شیر شتر خوردن وسوسمار عرب را بجاے رسید است کار
کہ تخت کیان را کنند آرزو"

کا طعنہ دیا تھا۔ خدا کی قدرت نے اُنھین خاک نشینون کو اس مرتبے پر پہونچایا کہ ایک طرف تخت کیانی اور درفش کاویانی پر قبضہ کیا اور دوسری طرف انھین طعنہ دینے والونکو دکلمی

ایسے پڑھا دیے کہ جسکی برکت سے نیشاپور سے غریب الوطن اور تارک الدیار ہوتے نکلے تو اودھ میں وہ لطف اٹھائے کہ جشنِ جمشیدی کا مزا بھول گئے۔ ؎

دعوتیں بھولے سمرقندی و شیرازی تمام　　　اسقدر الوانِ نعمت کے لگائے اُسنے خوان

تمام مورخین متفق ہیں کہ اودھ کے فرمانروا عجمی النسل تھے۔ اور اگرچہ اس عمارت کا بنیادی پتھر رکھنے والا ایک نجیب الطرفین سید تھا جو خانہ دامادی کا طعنہ سنکے اور دل و جگر پر تیغِ زباں کا زخم کھا کے وطن اور عزیزانِ وطن سے منہ موڑنے اور ہندوستان کی طرف رخ کرنے پر مجبور ہو گیا تھا لیکن اُسکا جانشین (جسے خانہ دامادی کی بدولت یہ عروج حاصل ہوا) شاہ بداغ کی اولاد تھا اور اسی کی آل اولاد پہلے نواب وزیر اور پھر بادشاہ بنکے سوا سو برس تک اس ملک کی ڈھائی تین کروڑ رعایا کی قسمتوں کا فیصلہ کیا کی۔

اسمیں کچھ شک نہیں کہ وہ بااقبال غریب الوطن طالع ہمایوں لیکے دنیا میں آیا تھا کہ جس وقت زمانے کی بے مہری نے اُسے خانماں خراب کیا اسوقت ہندوستان کی اسلامی شہنشاہی کا شیرازۂ جمعیت شکست ہو رہا تھا ظاہر فی الجملہ درست تھا مگر "درختِ اقبال کی جڑ کو دیمک لگ چکی تھی" وہ پہونچا اور ایسے موقع سے پہونچا کہ دست و بازو کے زور و قوت اور دل و دماغ کے فطرتی جوہر دکھانیکے واسطے اُسے میدان صاف ملا۔ پھر تو تائیدِ غیبی اور مشیتِ ایزدی نے وہ رنگ دکھائے کہ اگر چشمِ بینا ہو تو اُس سے بہت کچھ سبق پڑھے۔

اگرچہ زمانے کے ظالم ہاتھ نے بادشاہ اور بادشاہت سب کا خاتمہ کر دیا۔ اور "ایک افسانۂ بیکسی" کے سوا کچھ رہ نہیں گیا ہی۔ لیکن دلوں کو گرمانے کیواسطے "یہ عبرت خیز اور درد انگیز سرگزشت بلاکشاں" ابھی کچھ کم نہیں۔ اور اسی لیے راقم الحروف نے قصد کیا ہی کہ ذرا مختصر طریقے سے اس حکومت کی ابتدائی اُٹھان اور لہلہاتی جوانی کی داستان حوالۂ قلم کروں شاید کسی دل ناصبور

کو اُسکے دیکھنے سے عالم کی بے ثباتی اور شادی و غم دنیا کی ناپائداری کا حق الیقین ہوجاے اور وہ اُس امتحان صبر و شکیبائی میں پورا اُتر جاے جسمیں ہم سب آئے دن مبتلا رہتے ہیں - کیونکہ

زرنج و راحت گیتی مرنجان دل مشو خرم ‌ ‌ ‌ ‌ که آئین جہاں گاہے چناں گاہے چنیں باشد

(۲) سلطنت کی ابتدا اور بنیاد[۱]

ماجرائے نوجوانی عہد پیری میں نہ پوچھ ‌ ‌ ‌ ‌ رنج ہوتا ہے اب اس قصے کو دہراتے ہوے

گزشتہ صدی کا ابتدائی زمانہ تھا - آسیائے گردش ایام رفتار میں بجلی کی سرعت دکھا رہی تھی - بالائی ہند میں قسمت آزمائی کرنیوالے جانباز حباب آسا عالم فانی کی سطح پر سر اُبھارتے اور تلاطم امواج سے ساحل فنا کی ٹکریں کھا رہے تھے - خدا جانے کتنوں نے سر اُبھارا اور رہگئے سیکڑوں

---

[۱] اس تاریخی مضمون کے لکھتے وقت کتب مندرجہ ذیل پیش نظر رہی تھیں - انھیں کو اسکا ماخذ سمجھنا چاہیئے -

۱ - قیصر التواریخ مصنفہ سید کمال الدین حیدر -

۲ - مرقع خسروی مصنفہ جناب شیخ عظمت علی صاحب کاکوروی -

۳ - تاریخ اودھ المسمی بہ "گلزار ہند" مصنفہ مسٹر اِرون صاحب بزبان انگریزی -

۴ - کلکتہ ریویو جلد سیوم بمضمون تاریخی بابت اودھ مرقومہ سر ہنری لارنس صاحب -

۵ - تفضیح الغافلین - بزبان انگریزی مترجمہ مسٹر ہوی صاحب -

۶ - تاریخ نادر العصر مصنفہ جناب منشی نولکشور -

۷ - رہنمائے سیاحان لکھنؤ مصنفہ مسٹر اٹن صاحب

۸ - مسلمانان ہند کے عادات و مراسم مصنفہ مسز میر حسن علی

۹ - سیر و سیاحت مسز سندی صاحب -

نوٹ - رسائل متعلق معاملات اودھ جو وقتاً فوقتاً انگلستان میں شائع ہوے تھے

غنچے کھلنے بھی نہ پائے کہ مرجھا گئے۔ چند ایسے بھی نکلے جنھین یاوری بخت وسازگاری اقبال کی نسیم نے اپنے جھونکون سے شگفتہ کیا۔ دُنیا کی بہار دیکھی دکھائی۔

انھین بخت آزما جانبازون مین سیّد محمد امین نامی ایک مردِ میدان تھے جنھون نے اودھ کے خاندانِ شاہی کی بنیاد ڈالی۔ یہ حضرت امام موسیٰ کاظم کی اولاد او رصحیح النسب سیّد تھے۔ اِنکے باپ میر محمد نصیر عرصہ ہوا نیشاپور سے ترکِ وطن کرکے ہندوستان آچکے تھے اور بہادر شاہ خلفِ ثانی اورنگ زیب عالمگیر کی ملازمت مین تھے۔ وہ زمانہ وہ تھا کہ ہندوستان مین مغلیہ سلطنت کی زرریزی وگہرپاشی کی داستانین سُن سُن کے اسلامی دُنیا کے ہر گوشے سے پریشان حال اور تیرہ روزگار مسلمان ادھر ہی کا رُخ کرتے اور "یا قسمت یا نصیب" کی صدا دیتے اِسی مُلک مین وارد وصادر ہوا کرتے تھے۔ میر محمد نصیر صاحب بھی عسرت او رفلاکت سے حیران پریشان ہوکے گھر سے چلے تو بڑے بیٹے میر محمد باقر کو ساتھ لیکے ہندوستان مین داخل ہوگئے۔

چھوٹے صاحبزادے میر محمد امین خانہ دامادی کی عیش وتنعم کو چھوڑکے آنا مناسب نہ سمجھے لیکن بعد چندے باپ کی برگشتگی بخت کا ورثہ بیٹے کو بھی ملا۔ طمانیت خاطر کے پھول سونگھتے سونگھتے طعن وتشنیع کا کانٹا چُبھا۔ عیش منغص ہوا۔ سامان راحت موجب صد زحمت ہوا۔ لذاتِ نفسانی پر آلام روحانی نے شبخون مارا۔ قصہ مختصر۔ بھرے پُرے گھر کو چھوڑ کے غریب الوطنی پر کمر باندھنا پڑی۔ ہندوستان کی راہ تو کھُلی ہوئی تھی۔ باپ کے نقش قدم پر چلکے یہ بھی اسی ملک مین وارد ہوگئے لیکن ہنوز منزل تک نہ پہونچے تھے راستے ہی مین تھے کہ باپ کے مرنے کی خبر ملی۔ "انیہم بالاے الم" سمجھ کے راضی برضا ہوگئے۔ اور تقدیر آلہی پر شاکر ہوکے ہمت نہ ہارے کچھ دن مختلف مقامات مین رہکے آخرکار شاہجہان آباد پہونچ گئے۔ یہان اگرچہ شہنشاہی کے کارخانے

درہم برہم ہو چلے تھے پھر بھی ایسے ذی جوہر۔ سپاہی منش شرفا کے واسطے معیشت کے
دروازے کھلے ہوئے تھے یہ بھی پہونچے تو بعض امراے دربار کی قدر شناسی سے بے سر و سامان
نہ رہے۔ چند ہی روز مین حیثیت آبرو سے درست ہو گئے مگر دماغ ہفت ہزاری لائے تھے
زیادہ دنون تک کسی سے صحبت بر آر نہو سکی۔ بالآخر دربار مین رسائی ہو گئی۔ اب فرخ سیر
کا عہد تھا۔ جو ہر شناس بادشاہ نے "بالاے سرش ز ہوشمندی۔ میتافت ستارۂ بلندی"
پر نظر کر کے تواضع و تکریم سے ہاتھون ہاتھ لیا۔ خلعت سرفرازی عطا فرمایا۔ اور پہلے باڈی
گارڈ کا کماندار مقرر کر کے حلقہ بگوشی کی دستاویز پر تقرب و اختصاص کی مہر کی۔ پھر بعد چندے
آگرے کا صوبہ دار کر دیا یہ وہ وقت تھا کہ ساداتِ بارہہ دربار کے مالک سلطنت و شہنشاہی
کے مالک۔ بلکہ بادشاہ کے جسم و جان کے مالک ہو رہے تھے۔ سید عبد اللہ اور سید حسین علی
دونون بھائیون کا طوطی بول رہا تھا۔ اُنکی ترقیون۔ سربلندیون پر عروج و اقبال بھی چشمک
زن تھے۔ لیکن انجام بینی کی آنکھیں اندھی ہو چکی تھین محسن کشی اور ناسپاس گزاری جلادی
پر کمر بستہ ہر وقت رفاقت مین تھین جنھیں یار وفادار سمجھتے تھے وہی ظالم غدار نکلے۔ جنکو
آنکھون کی پتلی بنا کے رکھا تھا وہی نورِ نگاہ کے دشمن بنے جنپر جان جاتی تھی اُنھون نے
بیچ بچ جان ہی لی۔ فرخ سیر کی جان گئی اور محمد شاہ نے سلطنت پائی۔ شاہانہ راحت
طلبی کے روپیہ پر عیش و عشرت کا سکہ جما دن عید رات شب برات کا سمان نظر آیا۔ راگ
رنگ سرور و انبساط کے نقار خانے مین معدلت پناہی اور فرمانروائی کے طوطی کی
صدا کسے سُنائی دیتی۔ کہان کی سلطنت کہان کی حکومت ع یہان دماغ نہ تھا
خندہ ہاے بیجا کا۔ بالآخر "کردنی خویش آمدنی پیش" کا ماجرا زیر نگاہ ہوا۔ سادات
بارہہ کا اقبال گھٹا۔ زوال بلکہ استیصال ہوا۔ پشتینی نمک خوارون اور قدیمی

جاں نثاروں نے سازش کرکے دونوں کو زیر کیا۔ ایک ایک کرکے موت کے گھاٹ اُتار کیتے ہیں اس سازش میں میر محمد امین نے بہت جوہر دکھائے۔ خوب حق نمک ادا کیا۔ اور اُسکا صلا یہ ملا کہ سعادت خاں برہان الملک کا خطاب پایا۔

اگرچہ سادات بارہہ کے استیصال سے عیش پسند بادشاہ کو بہت کچھ آزادی و فارغ البالی نصیب ہوگئی لیکن ملک بھر میں جو طوائف الملوکی برپا تھی اُسکا کچھ علاج نہوا۔ نظم ونسق کی باگیں ڈھیلی ہوچکی تھیں اور بدلگام منہ زور جانوروں کی روک تھام آسان نہ رہی تھی۔ آئے دن ایک نہ ایک طرف سے تردد انگیز خبریں اور وحشت خیز اطلاعیں دربار میں پہونچ کر عیش منغص کرتے عین اسی زمانے اور راحت میں خلل ڈالتیں۔ ابتری و بےامنی کے چرچے عیش منغص کرتے عین اسی زمانے میں صوبہ اودھ سے شیخزادگان لکھنؤ کی شورہ پشتی و سرہنگی کی خبریں پیاپے پہونچنے لگیں اور ان گرما گرم رپورٹوں کو سنتے سنتے آخر کار اُسکے تدارک پر توجہ ہوئی اور یہ تجویز ہونے لگی کہ کون مرد میدان وہاں بھیجا جائے۔ جو تسلط بٹھائے اکھڑی ہوئی حکومت جمائے۔ اُلٹی ہوئی بساط پھر بچھائے۔ اتفاق یہ کہ جو حریفان غماز اس جانباز سید کی ترقی جاہ و منصب سے ہر وقت خار در جگر رہتے تھے اُنکے دلوں میں یہی سمائی کہ کسی طرح اُسے "از دیدہ دور و از دل دور" کرکے اپنا کلیجہ ٹھنڈا کریں۔ چنانچہ یہی حیلہ نکال کے سب نے اپنی ہمت اسی پر مصروف کردی کہ کسی طرح برہان الملک ہی کو یہ خدمت تفویض ہوجائے۔ جوڑ توڑ لگائے سازشیں کیں اور آخر کار کانٹا سمجھکے دربار سے نکالا لیکن۔ خدا کی مشیت کون جانتا تھا۔ اور یہ کسے خبر تھی کہ یہی کانٹا کبھی گلدستہ رنگا رنگ کی مہک گلشن ہستی میں پھیلائیگا۔ خرابے میں چمن زار کھلائیگا اور زمین شور میں سنبلستاں کی بہار دکھائیگا سچ ہے۔

عدو شود سبب خیر گر خدا خواہد

برہان الملک کو صوبہ داری ملی۔ اور اودھ کے سرکش و سرہنگ زمینداروں کے قلع قمع کرنے اور شیخزادگان لکھنؤ کے مطیع و منقاد بنانے کی ہم سپرد کی گئی مگر اس بے سرو سامانی کے ساتھ کہ نہ فوج دی گئی نہ نقد و جنس یا سامان حرب سے کوئی اعانت کی گئی۔ لیکن تقدیر الٰہی میں تو یہی لکھ جا چکا تھا کہ یہ مہم وہی سر کریگا اور اسی مہم سے اسکے اقبال کا آفتاب نصف النہار پر پہونچیگا۔ لاکھ مزاحمتیں کوئی پیش کرے کیا ہوتا ہی۔ چنانچہ باوجود اس بے سرو سامانی کے اس مرد میدان نے ہمت نہ ہاری۔ اپنی ہی قوم مغلیہ کے سقیم الحال بیکاروں کی ایک فوج بھرتی کی۔ امیدوں کا سبز باغ دکھایا۔ انعام اکرام کے وعدوں سے جی بڑھایا۔ یہ لوگ زندگی کی کلفتوں سے تنگ اور معیشت کی فکروں سے جاں بلب تو تھے ہی اتنا سہارا پاکے اٹھ کھڑے ہوے۔ اچھی خاصی فوج بھرتی ہو گئی اور فوج بھی کیسی کہ جسکا ایک ایک متنفس ہر وقت مرنے مرنے پر کمر بستہ۔ جان ہتیلی پر لیئے ہوے۔ پھر اسیطرح ساز و سامان حرب و ضرب کی فراہمی کا عقدہ بھی ناخن تدبیر سے کھولا۔ اور کوچ بول دیا۔ میان راہ اکبر آباد کٹھہرا اور فرخ آباد ہوتے ہوے۔ اور ہر مقام کے صوبہ دار سے دعوت و مدارات کے عوض سامان جنگ اور آئین اخلاق و مہمان نوازی رسمی کے بدلے صلاح و مشورۂ مناسب وقت لیتے ہوے اودھ پہونچے۔ ایک مورخ کا بیان ہی کہ ان سب میں صوبہ دار فرخ آباد نے زیادہ حق دوستی ادا کیا۔ وہ بوجہ قربت و ہمسائگی اودھ کے حالات اور شیخزادگانِ لکھنؤ کے تمرد اور جبروت و سطوت سے واقف تھا اُسنے صلاح دی کہ یوں تحت اللفظ بے سیاق نہ چلے جانا۔ پہلے ذرا نواح کے قصبات میں سکہ بٹھانا۔ وہانکے رئیسوں۔ شریفوں سے راہ و رسم پیدا کرنا

انکو اپنے سے ملانا اور ایسا برتاؤ کرنا کہ ضرورت کے وقت وہ تمھاری حمایت کر سکیں۔
کیونکہ یہ لوگ ساتھ دینے پر جلد اُٹھ کھڑے ہونگے۔ بات پتے کی تھی۔ دل میں بیٹھ گئی
نواب نے اسی پر عمل کیا۔ پہلے قصبۂ کاکوری میں داخل ہوے۔ یہاں کے شیوخ اہل
لکھنؤ کے سراسر خلاف اور انکی شرارتوں سے بہ تنگ تھے۔ نواب کا آنا اپنا مزید اقبال
سمجھے اور شریک صلاح دولت نواب ہوے۔ سب طرح کے نشیب و فراز سے آگاہ
کر دیا۔ گھاتیں بتائیں۔ نیک راہیں سجھائیں۔ قصہ مختصر۔ نواب لکھنؤ میں داخل اور
بڑی آن بان سے داخل ہوے۔ نہ مقابلہ ہوا۔ نہ صف آرائی کی نوبت آئی۔ بعد چندے
کچھ زور شمشیر اور کچھ حسن تدبیر سے تمام صوبے پر تسلط تام ہو گیا۔ سرکش زیر۔ سرہنگ
پامال ہوے انتظامات کی چول بیٹھی۔ مالی ملکی آئین بندھے۔ بدنظمی دور بے امنی کافور
ہوئی۔ اسے نواب کا اقبال سمجھو یا کارگزاروں کی حسن کارگزاری کہو کہ وہی صوبہ جسکی
نادہند اور سرکش رعایا نے کبھی صوبہ کی جمع سرکاری ستر لاکھ سے بڑھنے نہ دی پہلے ہی
سال بلا جبر و اکراہ ایک کرور سات لاکھ وصول ہوا۔ اور آخر آخر میں تو جاگیرات
معافیات ملا کے دو کرور کے قریب تحصیل ہو گئی۔ نیت بخیر تھی۔ تو کام بھی اچھے بن پڑے
اور انجام بھی نیک ہوا۔ اقبال بھی یاور تھا کہ جس معرکے میں گئے فتحمند لوٹے۔ جس مہم
کو سر لیا سر کر کے چھوڑا۔ باجی راؤ مرہٹہ کا کالپی کے مقام پر مقابلہ اسکا شاہد ہے کہ
ادھر لاکھوں کا دل بادل ادھر صرف چودہ ہزار سوار اور پھر فتح کا سہرا نواب ہی کے سر رہا
مرہٹے پسپا اور شکستہ دل ہو کے میدان سے نکل بھاگے۔ اسیطرح نواب کی فکر
صائب کا حال اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ نادر شاہ کے معاملے کو دو کرور روپیہ پر طے کر لیا تھا
مگر بد اندازوں۔ اپنی بات بالا رکھنے والوں نے رخنہ ڈالا۔ معاملہ بگڑ گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بائیس کرو

زر نقد - نوے لاکھ کے جواہرات اور مزید براں شاہجہاں کی جالی تخت طاؤس اور اُسی کے ساتھ دریاے نور اور کوہ طور دونوں ہیرے بھی گئے اور خزانۂ ہند بے چراغ کر گئے۔ طرّہ یہ کہ غمّازوں نے اُلٹی گنگا بہائی۔ بھولے بھالے بادشاہ کا دل نواب سے آزردہ کیا۔ دونوں طرف دلوں میں کدورت نے راہ پائی۔ آئینۂ خاطر زنگ آلود ہو گئے نواب کو اسکی تاب کہاں تھی۔ گھبرا گھبرا کے دعا مانگنے لگے کہ "الٰہی عزت آبرو کے ساتھ جلد خاتمہ بخیر کیجیو"۔ آخر دعاے سحرگاہی اور نالہ ہاے نیم شبی نے رنگ دکھایا۔ داعی اجل کو لبیک کہی۔ سنہ ۱۱۵۱ ہجری کا چل چلاؤ یعنے ذی الحجہ کی آخری تاریخ تھی کہ بصد حسرت دنیا سے عاجز اور اہل دنیا کے ہاتھوں پریشان ہو کے عالم جاودانی کی راہ لی۔

نواب برہان الملک کے محاسن اخلاق کے بیان میں سب مورخ رطب اللسان ہیں۔ انگریزی مورخ بھی مانتے ہیں کہ برہان الملک نے اودھ میں بہت انتظامات قایم کیے زیردستوں کو زبردستوں کے آزار سے پناہ دی اور غریب رعایا کو سنگدل زمینداروں کے جور و جفا سے گلو خلاص کیا۔ اور وہی پہلا شخص تھا جسنے یہ منصوبہ باندھا کہ اودھ میں ایک مستقل حکومت کسی وسط کے مقام پر قایم کرنا چاہیے۔ اور غالباً ایسا ہی کوئی منصوبہ تھا جس کی وجہ سے اجودھیا اور لکھنؤ میں اُنکا زیادہ تر قیام ہوا کرتا تھا۔ اگرچہ اودھ کی صوبہ داری ملنے کے بعد بھی درباری سازشوں اور پولیٹیکل پیچیدگیوں میں بہت کچھ حصہ لینا پڑتا تھا۔ مگر حتی الامکان نواب نے اپنی تمام تر ہمت اپنے صوبہ کی ترقی اور وہاں کی رعایا کی فلاح و بہبود پر مصروف رکھی۔ چنانچہ جسقدر اس ملک کے لوگ نواب سے مانوس اور اُنکے گرویدہ ہو گئے تھے اتنا کسی سے نہوے۔ نواب نے اپنے مرنے پر خزانہ مالا مال چھوڑا۔ جسکے بابت ایک منصف مزاج مورخ کا بیان ہے کہ یہ ممکن ہے

گو یہ تحریر اللہ رعایا سے بجبر و تعدی وصول کر کے بھرا گیا ہو۔ لیکن اتنا ضرور رہی کہ جو کچھ وصول کیا گیا تھا۔ امیروں دولتمندوں سے وصول کیا گیا تھا۔ غریبوں فاقہ کشوں کے منھ سے نوالہ چھینا نہیں گیا۔" خیر۔

خدا بخشے بہت سی خوبیاں تھیں مرنیوالے میں

نواب برہان الملک نے کوئی اولاد نرینہ نہ چھوڑی۔ اسلیے اُنکے مرنے پر اودھ کی صوبہ داری کے دعویدار اِدھر تو شیر جنگ (بھتیجے) اور اُدھر صفدر جنگ (بھانجے اور داماد) اُٹھ کھڑے ہوئے۔ ایک نے اسلام کا قانون وراثت اپنے حق کے مرجح ثابت کرنے کو پیش کیا۔ دوسرے نے برہان الملک کے برتاؤ اور اپنی سابقہ جاں نثاریوں کو وسیلہ گردانا۔ دونوں طرف سے سازشیں ہونے لگیں۔ حتےٰ کہ شیر جنگ نے نادر شاہ کا دامن تھاما۔ لیکن صفدر جنگ کی پیشانی پر کاتب تقدیر نے اقبال ہی اقبال لکھ دیا تھا۔ اُسی کی بات بالا رہی اور اُسکے دعوے کے سامنے کسی کی کچھ نہ چلی۔

نواب برہان الملک کے عہد حکومت میں اس صوبے کے حدود یہ تھے۔ جنوباً کنارہ دریائے گنگ اور شمالاً دریائے راپتی۔ شرقاً عظیم آباد و غرباً شاہ آباد۔ کل رقبہ ۲۳۹۲۳ میل۔

(۳) عہد حکومت ابو المنصور خاں صفدر جنگ

اصلی نام مرزا محمد مقیم تھا۔ برہان الملک کے بھانجے اور جعفر خان بیگ کے بیٹے قوم قراتر کمان سے تھے۔ چھ مہینے کے تھے کہ ماں کا سایۂ عاطفت سر سے اُٹھ گیا۔ بے سروسامانی یہ تھی کہ خالہ نے اپنا دودھ پلا کے پالا۔ بھلا اسوقت نیشاپور میں کسے یہ تصور ہو سکتا تھا کہ یہ بچہ ایسے فرخندہ طالع لیکے آیا ہے کہ کسی زمانے میں امیر تیمور اور بابر کی اولاد کی دستیاری کریگا۔ اور اُسکی نسل مملکت ہندوستان کی پولٹیکل شطرنج میں معرکے کی چالیں کھیلے گی لیکن

اسوقت گلشن ہستی میں یہ شگوفہ کھلا تھا۔ اُسیوقت قضا و قدر کے محکمہ سے یہ حکم محکم جاری ہو چکا تھا کہ اس کے زائچہ میں ماموں کے زائچے سے زیادہ نیک ستارے اکٹھا کر دیے جائیں۔ وزارت اور بادشاہت سب کچھ لکھدیا جائے۔

ابتدائی حصۂ زندگی جیسی کچھ افسردہ دلی اور پریشاں خاطری سے گزرا ہوگا اُسکا پوچھنا کیا ہے۔ نانا اور ماموں فکر معیشت سے تنگ ہو کے آوارہ وطن ہوے۔ خالہ کے دودھ نے جان بچائی۔ دائی تک میسر نہ تھی لیکن ادھر بچہ کے دماغ میں باغ نوجوانی کی بو بہو پہنچنے لگی۔ اُدہر ہندوستان سے ماموں کی شمیم اقبال کی مہک گھر بھر کو خوش دماغ بنانے لگی۔ برہان الملک کے اقبال و دولت کی جوانی بھانجے کے شباب سے معاصر ہوئی۔ برہان الملک نے بہن اور بھانجے کو ہندوستان بلا بھیجا اور اپنی بیٹی صدر جہاں بیگم سے شادی کر کے بھانجے کو عروس سلطنت سے وابستہ کر دیا۔ بلکہ یہ کہنا چاہیے خانہ داماد سلطنت بنا دیا۔ پھر دربار میں تقریب کر کے خطاب بھی دلوا دیا۔ اور کچھ خدمتیں بھی سپرد کرا دیں جسطرح نواب برہان الملک کے وقت میں نادرشاہ کا واقعہ پیش آیا تھا۔ اُسی طرح صفدر جنگ کے وقت میں احمد شاہ ابدالی کا ہنگامہ درپیش ہوا برہان الملک کا ستارۂ اقبال اسوقت جھلملانے لگا تھا اسوجہ سے اُنکے ہاتھوں مہم سر نہو سکی۔ برخلاف اسکے صفدر جنگ کا دریۂ اقبال زوروں پر تھا جب یہ ہنگامہ اُٹھا۔ اگرچہ حاسدوں بد اندیشوں نے بہتیرا چاہا کہ یہ اس معاملے سے الگ تھلگ رہیں مگر ؎

چراغے را کہ ایزد بر فروزد — کسے کو پف زند ریشش بسوزد

خدا کی مشیت تو یہ تھی کہ اسی معرکے میں صفدر جنگ کی سرفروشی اور جاں نثاری کے جوہر آشکارا ہوں۔ اقبال منہ دکھاے۔ جاہ و حشم زیادہ ہو چنانچہ شاہزادہ احمد شاہ کی رفاقت

میں یہ بھی میدان جنگ میں تھے۔ اور اپنی دلیری و جاں بازی سے شاہزادے کا دل ہاتھ میں لے رہے تھے۔ مورخین کا بیان ہے کہ نواب نے فقط اپنی فوج مغلیہ سے بڑی جوانمردی سے معرکہ آرائی کی اور ابدالی کو شکست دی۔ اسی لڑائی میں نواب کی بائیں آنکھ میں تیر لگا۔ آنکھ جاتی رہی اور حدقہ چشم میں بلوری آنکھ رکھنے لگے۔ یہ مع فتح و فیروزی شاداں و فرحاں دہلی آ رہے تھے کہ پانی پت کے مقام پر رنگیلے بادشاہ کے مرنے کی خبر سنی۔ اور صبح گجر دم شاہزادے کے حضور میں حاضر ہو کے تخت و تاج کی مبارکباد دی۔ کہتے ہیں۔ اسوقت تاج نہ ملا تو بانس کی تیلیوں کا تاج بنا کے اُس میں جواہر ٹانکے۔ موتیوں کی جھالر لگائی۔ اور اپنے ہاتھ سے شاہزادے کے سر پہ رکھا۔ مبارک سلامت کا غل مچایا۔ شاہزادے کے منھ سے مسرت کے جوش میں بے اختیار نکل گیا کہ "ہمیں سلطنت تمھیں اسکی وزارت مبارک"! نواب نے نذر دکھائی۔ آداب شکریہ بجا لائے۔ اور جلد جلد سفر کر کے شاہجہاں آباد داخل ہو گئے۔ تقدیر کے کارخانے دیکھو کہ ابدالی کے معرکے میں دربار کے بڑے مقرب اور سرکار کے بڑے جاں نثار نذر اجل ہو چکے تھے۔ صفدر جنگ کے واسطے میدان خالی تھا۔ دہلی پہونچتے ہی پہلے میر آتش یعنے افسر توپخانہ کا عہدہ اور بعد چندے ۱۱۶۱ھ میں وزیر الممالک کا خطاب اور اس عظیم الشان شاہنشاہی کا قلمدان وزارت ملگیا۔ ماموں نے جس بات کی تمنا میں جان دی۔ بہت کچھ پاپڑ بیلے۔ اور نہ ملی۔ بھانجے کو بے کشش و کوشش باتوں باتوں میں ملگئی۔ اب وہ صوبہ داری کا لقب اُڑ گیا اور اُسکی جگہ نواب وزیر اودھ لکھا جانے لگا۔

صفدر جنگ کا زمانہ اودھ کیواسطے سکون و اطمینان کا زمانہ نہ رہا۔ دربار کے کاروبار سے مہلت ہی کم ملی کہ اسطرف توجہ کیجاتی۔ حتی کہ ایکبار چند روز کیواسطے اودھ پر احمد خاں بنگش نواب فرخ آباد اور اُسکے ساتھی پٹھانوں کا عملہ دخل ہو گیا۔ اور جب صفدر جنگ کو اسکی اطلاع ہوئی تو وہ سوبہ حل

جاٹ (سردار بھرت پور) کو ساتھ لیکے دہلی سے چلے۔ لیکن احمد خاں نے جمعیت قلیل سے ہزیمت دیدی۔ صفدر جنگ کو ناشاد و نامراد پلٹنا اور صوبے کو پٹھانوں کے ہاتھ میں چھوڑ دینا پڑا۔ لیکن ادہر تو پٹھانوں میں باخود ہا مناقشات شروع ہو گئے۔ جوتیوں میں دال بٹنے لگی۔ ادہر صفدر جنگ نے ملہار راؤ کو بسر کردگی اسی ہزار مرہٹے کے ایک کرور کا وعدہ دیکر ساتھ لیا اور اُسکے بل پر یلغار کردی۔ اس جمعیت کثیر کے مقابلے کی تاب و طاقت پٹھانوں کو کہاں تھی۔ بھاگ نکلے۔ اور صفدر جنگ کی حکومت کا نقشہ پھر اودھ کی بساط پر جمگیا۔ لیکن بعد چندے بعض واقعات ایسے پیش آئے جنسے حریفان خانہ کو موقع ملگیا اور اُنھوں نے بادشاہ کو نواب سے برانگیختہ کردیا۔ ایک خواجہ سرا کے قتل کی شرکت کا جرم قائم کر کے ایسے معتمد الخدمت رکن رکین سلطنت کو نظروں سے گرانا چاہا۔ اسوقت اگر اتنی ہی عقلیں درست ہوتیں کہ قاتل و مقتول کی جانونکی قدر شناسی کی جاتی تو سلطنت ہی کیوں جاتی۔ اندھا دھند کارخانہ تھا جسنے جو چاہا لگائی بجھائی کردی۔ اور جس جاں نثار، یار وفادار کو چاہا نظروں سے گرادیا۔ جب صفدر جنگ نے دربار کا رنگ بدلا دیکھا۔ بادشاہ کی آنکھ پھری پائی آزردہ و آشفتہ دلگیر ہو کے اپنے صوبے کی راہ لی۔ اور آخر عمر کے ۱۵ برس فیض آباد میں بسر کیئے۔ اب زمانہ وہ آگیا تھا کہ ہر طرف صوبہ دار تمرد اور سرکشی پر آمادہ ہو رہے تھے۔ ہر فرعون بے سامان انا ولا غیری کا نعرہ بلند کر رہا تھا۔ مرہٹے۔ جاٹ اور سکھ انانیت سے مست ہو کے اسطرح شورش کر رہے تھے جیسے جسم بیمار میں پھوڑے پھنسی۔ امن و امان کے دشمنوں نے بیچارے بادشاہ کی زندگی تلخ کردی اور آخر کار جب کھرے کھوٹے کا حال کھل گیا۔ مرغان دست پرور کی بے مہری و طوطا چشمی کے جوہر آشکارا ہو گئے۔ تب بادشاہ نے صفدر جنگ کو یاد کیا کہ معجلہ فوج قاہرہ لیکے حاضر ہو۔ "کور نمک بدخواہوں نے جان بلب کر رکھا ہے"۔ لیکن صفدر جنگ کا پیمانہ عمر لبریز ہو چکا تھا۔ جاں نثاری نے کئی بار اُکسایا کہ چلنا چاہیے مگر مرض الموت نے ہر مرتبہ قدم پکڑ لیے کہ "ابھی کہاں چلے" عہ چنانچہ ۱۷۵۲ء

اکتوبر کا مہینہ تھا کہ اسی عارضہ میں انتقال کیا جو ماموں سے صوبہ داری کے ساتھ وراثتہً ملا تھا۔

اودھ میں صفدر جنگ کی یادگار فیض آباد ہے۔ اسکی بنیاد تو برہان الملک ہی ڈال گئے تھے۔ لیکن اسکی ساری آبادی صفدر جنگ کے دم قدم سے ہوئی۔ لکھنؤ میں بھی گھومتی کا پرانا پل صفدر جنگ ہی نے بنوانا شروع کر دیا تھا ناتمام رہا۔ آصف الدولہ کے ہاتھوں انجام کو پہونچا۔

(۴) شجاع الدولہ بہادر

انکا اصلی نام جلال الدین محمد مرزا۔ اور پورا خطاب شجاع الدولہ بہادر ابو المنصور خاں اسد جنگ فدوی احمد شاہ بادشاہ تھا۔ صفدر جنگ کے بیٹے اور برہان الملک کے نواسے تھے ۱۱۴۴ھ میں پیدا ہوئے تاریخ ولادت ہوئی ؎

زد دولتخانۂ نواب منصور ۱۱۴۴ھ   برآمد آفتاب از مطلع نور ۱۱۴۴ھ

ابتدائی عمر شاہزادگی کی شان سے بسر کی ۱۱۶۶ھ میں مطابق ۱۷۵۲ء بائیس برس کے سن شباب میں مسند نشین وزارت ہوئے کچھ امنگ جوانی کی کچھ حکومت کا نشہ طبیعت میں ہے دو آتشہ کا زور تھا۔ امیر مغلیہ سلطنت کے روز افزوں تنزل اور تباہی کو دیکھکے یہی سوچے کہ بہتی دریا میں ہاتھ دھو لینا چاہیے کشورکشائی کا حوصلہ پیدا ہوا ہمت عالی اور عزیمت بلند نے نچلا بیٹھنے نہ دیا۔ اتفاق یہ کہ اس زمانے میں عالمگیر ثانی تخت دہلی پر جلوہ فرما تھے اور غازی الدین وزیر کے ظلم و ستم سے تنگ ہو کے شہزادہ علی گوہر ولیعہد سلطنت اپنی جان چھپاتے پھرتے تھے ۱۷۵۹ء میں شجاع الدولہ سے ملاقات ہو گئی۔ انھوں نے شہزادہ کی دلجوئی کی تسلی دی محمد قلی خاں سے ساز کیا اور دونوں نے ملکے شہزادے کی رفاقت میں بنگال پر حملہ کیا لیکن یہاں انگریزوں کا سال بھر سے یعنے فتح پلاسی کے بعد سے عمل دخل تھا۔ ولیعہد بہادر تو ان فکروں میں مصروف و منہمک تھے اُدھر پایہ تخت کا یہ حال تھا کہ بیس پچیس لاکھ مرہٹہ دہلی کو گھیرے ہوئے پڑے تھے خلقت دہر کون سی جاں طلب تھی اور بادشاہ سلامت کے ارکان دولت بالکل بے تاب ہو رہے تھے۔ آخر کار عرصے از غیب ور آمد کاسے بگشود کا ماجرا ہوا یعنی احمد شاہ درانی نے یہ حال دیکھکے بیکسیں اور بیبس

بادشاہ کی ہمدردی کی اور اپنی فوج سے مرہٹون کا مقابلہ کرنا چاہا - چنانچہ پانی پت کے میدان
مین ہنگامہ کارزار گرم ہوا شجاع الدولہ کی چلبلی طبیعت - جوانی کے زور - رفاقت وہوا خواہی
کے جوش سے بھلا یہ کیونکر ممکن تھا کہ ایسے آڑے وقت آنکھ چرا جائین - یہ بھی اپنے لاؤلشکر
سمیت میدان مین ہو پہنچے - اور شجاعت کے جوہر دکھانے لگے - ہنوز یہ قضیئے طے نہین ہوے
تھے کہ نومبر ۱۷۵۹ء مین عالمگیر ثانی کو وزیر الممالک نے شہید کر ڈالا - پانچ چھ دن تک ٹٹی ہی
گڑبڑ مچی رہی تخت سلطنت خالی رہا - بالآخر شہزادہ علی گوہر شاہ عالم بنکے سریر آرائے
سلطنت ہوے - اور شجاع الدولہ کو وزارت کی کرسی ملی - شجاع الدولہ کی بلند حوصلگی کیواسطے
اب بڑا میدان ملگیا - نئی بساط بچھی - نئے مہرے قائم ہوے - نئی چالین کھیلی جانے لگین
اتفاق یہ کہ اب شطرنج کھیلنے والون مین ایک نیا فریق پیدا ہو گیا تھا - یہ انگریز تھے جنھون
نے بنگال کی سرزمین مین ہلچل ڈال رکھی تھی - پلاسی کی لڑائی مین انگریزی اسلحہ کے جوہر
جو کھلے تو ایسے کھلے کہ بہتیرونکی آنکھونکو چکا چوندھ لگ گئی - اُس ہنگامے نے ہر خفتہ وبیدار
کو خبردار کر دیا اور اب نیر رقابت کی کڑی نگاہین سب طرف سے پڑنے لگین - شجاع الدولہ
کی نئی نئی امنگ کے دیکھتے یہ کچھ بعید نہ تھا کہ انھون نے بھی ابتداءً انگریزون کو اچھی نگاہ
سے نہ دیکھا - وہ خود دلمین ہزارون منصوبے باندھے ہوے تھے - انھین سنگ راہ دیکھی
ضبط نہو سکا سمجھے لاؤ پہلے انھین کا وارا نیارا کر ڈالین - اُدھر نواب قاسم علیخان انگریزون سے
چرکا کھا کے جو چلے تو شجاع الدولہ کو مرد میدان سمجھکے انھین کیطرف مڑے - یہ تو ایسا موقع خدا سے
چاہتے تھے - فوراً حمایت وسرپرستی پر رضامند ہو گئے - مستزاد یہ کہ شاہ عالم بھی انھین سب کے
شریک حال ہو گئے اور شہ دینے لگے - القصہ ایک مدت تک ہنگامۂ جدال وقتال بمقام پٹنہ
گرم رہا - دونون طرف سے دلیران جانباز نے داد شجاعت خوب دی لیکن فتح وشکست

امور تقدیری ہین - اور بحکمہٗ قضا و قدر سے انگریزون کے خورشید اقبال کا طلوع اسی مطلع سے مقدر ہو چکا تھا - اتحاد ثلثہ نے لاکھ زور مارے - بجد جد و کد کی لیکن تثلیث کے ماننے والون کی یکتائی اپنا کام کر گئی - بکسر کے مقام پر سارا بھرم جاتا رہا - انگریز غالب و فتحمند میر قاسم اور شجاع الدولہ مغلوب و ہزیمت خوردہ ہو گئے قسمت کی نیرنگی تھی کہ قلت نے کثرت پر فتح پائی - یکہ و تنہا نے دوہری تہری چوٹین بجائین - اور سب کو میدان سے بھگا دیا - خیر - جنگ کا جو انجام ہوا وہ ہوا - شجاع الدولہ پھر بھی گھاٹے مین نہ رہے - انھین تین سو اسّی ۳۸۰ ہاتھی جن پر مرشد آباد کی صدہا برس کی کمائی بار تھی و خزانہ - زر و جواہر - اشرفیان - اور خدا جانے کیا کیا نفائس تھے ہاتھ لگ گئے - مورخین کا بیان ہے کہ جب شجاع الدولہ شکستہ دل ہو کے بکسر سے لوٹے تو بیوی بچونکو بخشی الممالک[لہ] کی حفاظت و حراست مین چھوڑ کے آپ جریدہ بریلی ہوتے ہوے نواب احمد خان بنگش پاس فرخ آباد پہونچگئے - اگرچہ احمد خان بنگش کے دل مین صفدر جنگ کے وقت کا کینہ دیرینہ باقی تھا - لیکن شجاع الدولہ کو اسطرح مضطر و سراسیمہ اور طالب ہمدردی و اعانت دیکھکے انھون نے شان ریاست دکھائی - دل کھول کے ملے - تواضع تکریم سے پیش آئے اور یہ صلاح دی کہ انگریزون سے صلح و آشتی کرنا اور بہ لطف و مدارا پیش آنا چاہیے - چنانچہ شجاع الدولہ نے اسے قبول کیا اور اس باب مین ریشہ دوانی شروع کی آخر کار ۱۱۶۸ھ مین بمقام بنارس ایک عہدنامہ انگریزون سے ہو گیا جسکی رو سے یہ طے پا گیا کہ نواب اور کمپنی دونون ایک دوسرے کے معین غمخوار و غمگسار ہو جائین - ایک کا دوست دوسرے کا دوست ہو اور ایک کا دشمن دوسرے کا بھی دشمن - نواب اپنی فوج کی تعداد صرف پینتیس ۳۵ ہزار سوار کر دین جسمین دس ہزار پیدل پانچسو توپخانہ والے اور ساڑھے نو ہزار بیقاعدہ جمعیت - اور اسمین صرف پیدل فوج کی ترتیب اور ہتھیار یکہ دینے ہون اس عہدنامے سے شجاع الدولہ کے دوستانہ تعلقات انگریزی کمپنی سے

لہ انکا پورا خطاب مظفر الدولہ بخشی الممالک ابو البرکات خان تہور جنگ تھا - یہ قصبہ کاکوری کے رہنے والے اور راقم کے اجداد مین تھے مولف

قائم ہو گئی بڑا کھٹکا مٹا دل مطمئن ہو گیا۔

سنہ ۱۷۷۲ء مین مرہٹون نے روہیلکھنڈ پر حملہ کرنے کی دھمکی دی۔ شجاع الدولہ بھی بوجہ ہمسائیگی و قربت ایسے معاملات مین خاموش کیونکر رہسکتے تھے۔ انھون نے فوراً روہیلون سے ساز کیا۔ کمک کیواسطے زبان دی۔ اور یہ قرار پاگیا کہ مرہٹے آپہونچے تو ادہر سے مقابلہ کا پورا سامان ہوگا۔ لیکن چالیس لاکھ روپیہ بھی دینا ہوگا۔

سنہ ۱۷۷۳ء مین ایک نیا شگوفہ کھلا۔ کسی رقیب امن وعافیت نے وارن ہیسٹنگز (گورنر جنرل) کو شجاع الدولہ سے بدظن اور مشکوک کر دیا۔ وہ گھبرا کے بنارس چلے آئے اور شجاع الدولہ سے ملاقات کی آرزو ظاہر کرنے لگے۔ چنانچہ یہ بھی بنارس پہونچے ملاقات ہوئی۔ ملاقات ہوتے ہی طرفین کے آئینۂ خاطر صاف ہو گئے۔ کدورتین مٹ گئین۔ اور ایک جدید عہدنامہ ہو گیا جسکی رو سے یہ طے پاگیا کہ الہ آباد اور کوڑا کے ضلع جو شاہ عالم کو اسلیئے دے رکھے گئے تھے کہ عزت آبرو سے زندگی بسر کرین۔ اور بادشاہت کی بگڑی سنبھالے رہین اب اُنسے لے لیئے جائین کیونکہ وہ بالکل کٹھ پتلی کیطرح مرہٹون کے ہاتھ مین دے رکھے ہین۔ اور پھر یہ اضلاع نواب وزیر کو تفویض کر دیئے جائین اور وہ اُنکے معاوضہ مین پچاس لاکھ روپیہ کمپنی کے نذر کرین۔ یہ بھی اسی معاہدے مین طے ہو گیا کہ اخراجات فوجی کیواسطے دو لاکھ دس ہزار روپیہ ماہوار کمپنی کے خزانے مین داخل ہوا کرے۔ جس سے دو یورپین اور چھ سپاہیونکی پلٹنین اور ایک کمپنی توپچیون گولانداز ون کی اودھ کی اعانت اور کمک کیواسطے ہر وقت طیار رہی۔ شجاع الدولہ نے یہ سب شرطین منظور کر لین۔ زیادہ تر اسوجہ سے کہ اب اس زمانے مین روہیلون سے کسیقدر اَن بن ہو چلی تھی اور شجاع الدولہ کا منصوبہ یہ تھا کہ اُنکو پامال کرنا چاہیئے۔ چنانچہ انھون نے وارن ہیسٹنگز سے اپنا مکنون خاطر ظاہر بھی کر دیا۔ اور کہدیا کہ وہ پہلے آمادے پر حملہ کرنے والے ہین۔ لہذا اُنکی روک تھام کرنا ضروری ہے۔

پھر مرہٹون کے معاملہ مین جو چالیس لاکھ روپیہ اُنپر واجب الادا ہی وہ بھی ہنوز وصول نہین ہوا ہی۔ لہٰذا اگر ایک بریگیڈ انگریزی فوج کی ملجائے تو وہ دو لاکھ دس ہزار روپیہ ماہوار بخوشی دیا کرینگے۔ وارن ہیسٹنگز نے بھی اسے مصلحت وقت جانکے قبول و منظور کر لیا۔ اسی عہدنامے کی رو سے یہ بھی قرار پاگیا کہ ایک انگریزی رزیڈنٹ دربار اودھ مین رہا کرے۔ اس عہدنامے کا نتیجہ یہ ہوا کہ روہیلون سے لڑائی چھڑ گئی۔ اگرچہ اس جنگ و جدل کے نتیجے شجاع الدولہ کے حق مین زیادہ اہم نہین ہوئے۔ البتہ اتنا ضرور ہوا کہ روہیلے جو اپنی بہادری پر نازان سرفروشی پر ہر وقت کمربستہ اور جابلانہ جوش شجاعت سے ہمیشہ مست و بیخود رہتے تھے نیچا دیکھ گئے پست پڑ گئے۔ بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ تباہ و برباد ہو گئے۔ حافظ رحمت خان مارے گئے اور اُن کے زن و فرزند بلا مین مبتلا ہو گئے۔

ہنوز روہیلکھنڈ کے معاملات زیر بحث تھے۔ فتح کی مسرت کا آوازہ بلند تھا کہ مرض الموت نے منھ دکھایا۔ ایک مہینے تک زندگی اور موت کی کشاکشی رہی۔ ۲۶ جنوری ۱۷۷۵ء کو جھگڑا ابھی طے ہو گیا۔ موت نے زندگی کو شکست دی۔ اور ۴۶ برس کے سن مین شجاع الدولہ کو بھی وہی دن دیکھنا پڑا جو بہتیرون نے دیکھا ہی اور ہر انسان کو ایک نہ ایک دن دیکھنا ہی۔

شجاع الدولہ کے مرنے سے اودھ کی ترقی اور وسعت کا ایک دور تمام ہو گیا۔ کیونکہ ابھی تک حکمرانان اودھ کی ہمت توسیع مملکت ترقی جاہ و منصب۔ اور اضافۂ اقتدار و سطوت پر تمام تر مصروف رہی تھی لیکن شجاع الدولہ کے وقت مین انگریزون کی پشت پناہی اور حمایت کا سہارا پاکے جو اطمینان و دلجمعی نصیب ہوئی اُس نے آیندہ حکمرانون کو اپنے مقبوضجات پر بخیر و عافیت قابض و متصرف رہنے اور عیش و کامرانی کے ساتھ بفراغت بسر کرنے ہی پر مائل رکھا۔ شجاع الدولہ کی حُسن صورت و سیرت کے باب مین انگریزی مورخین بہت تر زبان ہین

چنانچہ مسٹر ڈو (جو غالباً دلمین شجاع الدولہ سے کچھ عناد بھی رکھتے تھے) مقر ہین کہ "وہ بہت حسین اور خوشرو جوان تھے۔ قدِ بلند پانچ فٹ گیارہ انچھ تھا۔ ہاتھ پاؤن چوڑی چکلے تھے بدن پھرتیلا گسیلا تھا۔ تلوار کی ایک ضرب سے بھینسے کا سر اُڑا دیتے تھے۔ ساتھ ہی اسکے بڑی چلت پھرت کے آدمی تھے محنت اشقت کے عادی تکلیف و مصیبت جھیلنے کے خوگر یا اولوالعزم اور عالی حوصلہ چمکیلی آنکھون اور خار اشگاف نظر سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ دل مین جوش اور سینے مین اُمنگین بھری ہوئی ہین۔ وہ صبح گجر دم اُٹھ بیٹھتے اور گھوڑے پر سوار ہو کے سیر و شکار کو جنگل کی طرف نکلجاتے۔ وہان ہرن۔ بارہ سنگھے یا چیتے کا شکار کھیلتے دوپہر ہوتے گھر آتے اور آتے ہی آتے ٹھنڈے پانی سے نہا ڈالتے۔ پھر حرم سرا مین داخل اور عیش و نشاط مین مصروف ہو جاتے یہ حالت ابتدا کی تھی لیکن بکسر کی لڑائی مین شکست کھا کے طبیعت کا رنگ بدل گیا تھا۔ اب فوج کی درستی محاصل ملک کی افزونی پر زیادہ توجہ ہو گئی تھی۔ حرم سرا کی دلچسپیان کم ہو گئین مہمات ملکی و مالی مین انہماک بڑھ گیا جس سے اُنکی دھاک ہر چہار طرف بندھ گئی ملک کی آمدنی بڑھ گئی۔ فوج بھی ایسی مرتب ہو گئی کہ شمار مین آنے لگی۔" اروِن صاحب لکھتے ہین کہ شجاع الدولہ کے کارگزار ہونیکی قابلیت مسلم ہے۔ بکسر کی لڑائی کے بعد چار ہی برس کے اندر انھون نے تمام پچھلے مطالبات کو پاک کر کے خزانہ مالامال کر دیا اور ملک کو ایسا مرتب و منتظم بنا دیا کہ محاصل بے خرخشہ وصول ہونے لگے۔ فوج بھی آراستہ اور باقاعدہ ہو گئی۔ فرینکلن اور اسکاٹ جیسے مصنفین جنکے دل مسٹر ڈو کیطرح مکدر نہین کہتے ہین کہ شجاع الدولہ ایک اچھے مجسٹریٹ۔ معدلت پسند اور دل و جان سے اپنی ملک کی فلاح و رفاہ چاہنے والے نواب تھے۔ انداز و ادا مین انکو نہایت لئے دئے عاقل فرزانہ خلیق و متواضع۔ رحمدل اور کشادہ مزاج رعایا برایا کی محبوب اور ہر طبقے مین ہر دلعزیز۔ حتی کہ انکی موت پر حافظ رحمت خان کے بیٹے تک ملول و متاسف تھے۔"

فی الحقیقت شجاع الدولہ مین خدا نے بہت سی خوبیان اور فضیلتین جمع کر دی تھین اور اُس پر آشوب وقت مین جبکہ مغلونکی شمع اقبال جھلملا رہی تھی۔ بابر اعظم کی نسل سے سطوت و جبروت شاہی کیساتھ تمام فضائل و محاسن بھی معدوم ہو چکے تھے۔ ہندوستانکی پولٹیکل شطرنج مین یہی ایک مُہرا ایسا زبردست تھا جو سب طرف معرکے کی چالین ڈال رہا تھا۔ اگرچہ خود بادشاہ سلامت پر بھی اُسکی ہاتھون ایک آدھ بار شہ پڑگئی لیکن آئین ملک داری اور حکمت عملی کے واقف کارون کے نزدیک ایسی خطائین قابل چشم پوشی ہین۔ کیونکہ شجاع الدولہ کے وقت مین زمانیکا رنگ بہت بدل چکا تھا وہ اپنی بزرگون کی نقش قدم پر چل ہی نہ سکتے تھے۔ اُن لوگونکو جو کچھ مقابلہ کرنا پڑا ایرانیون تورانیون سے کرنا پڑا۔ اُنکے مقابلہ کی شان اور ہی تھی۔ شجاع الدولہ کیوقت مین انگریز۔ اور فرانسیسی بھی میدان مین آچکے تھے۔ اُنکی کشتی اور ہی پہلوانون سے بدی گئی تھی۔ یہ اگر وہی داؤن پیچ کھیلتے کبھی سر بر نہوتے۔

ان وجوہ پر نظر کر کے یہ کہنا ہرگز بیجا نہین ہی کہ شجاع الدولہ مین خدا نے کچھ غیر معمولی جوہر ذاتی ایسے دیئے تھے کہ اجنبی راہ اور بیگانہ منزل مین یہ بسلامت چلے اور مقصود کو پہونچگئے۔ شجاع الدولہ نے ایک طرف روہیلکھنڈ پر قبضہ کیا جسپر اُنکے بزرگونکا دانت ہمیشہ لگا رہا۔ دوسری طرف فرخ آباد تک نائرۂ دولت بجایا۔ ادھر صوبہ الہ آباد مین اضلاع بنارس۔ غازیپور۔ ادھر فتحپور۔ کانپور حاطہ دہ مین پوری تک انھین کے نام کی دوہائی پھری کل آمدنی صوبہ کی (جسوقت فرخ آباد بھی شامل تھا) دو کروڑ ستر لاکھ تھی جسمین تراسی لاکھ سرکار انگریزی کو دیا جاتا تھا۔

(۵) نواب آصف الدولہ بہادر

شجاع الدولہ کے مرنے پر آصف الدولہ بڑے بیٹے مسند نشین ہوے۔ انکی مسند نشینی کی ابتدا ہی سے انگریزون کی مداخلت شروع ہو گئی۔ وہ اپنے صفات ذاتی سے واقف تھے۔

اور سمجھتے تھے کہ لایق فایق بھائیون کے سامنے دال گلنا مشکل ہی۔ اسیوجہ سی ہر وقت ڈر لگا رہتا تھا
کہ کہین کوئی دعویدار ایسا نہ اُٹھ کھڑا ہو کہ جسکے سامنی سر جھکاتی ہی بن پڑے۔ اور یہی وجہ تھی کہ
انھونے اول ہی اول انگریزون کی حمایت و سرپرستی کی جستجو کی۔ خوش قسمتی یا بدقسمتی سی انگریزونکی
حیلہ جو پالسی ایسے موقع کی منتظر تھی۔ مادۂ قبولیت دیکھتے ہی تمامتر رجوع ہوگئے۔ عنایتین مہربانیان
شروع ہوئین۔ تعلقات دوستانہ کے پردے۔ حمایت وحفاظت کی آڑمین اپنی برتری اور فضیلت
کا سکہ بٹھالیا۔ ہر بات مین محرم راز اور ہر صلاح مین مشیر بنتے تھے یہ نوبت پہونچ گئی کہ کوئی کام بلا استصواب
بلکہ بلا منظوری کرنا خطا و جرم ہوگیا۔ اب زمانہ یہ آگیا تھا کہ دربار دہلی سے برائے نام واسطہ رہگیا تھا
نیا کا انتظام ”بیم ورجا“ پر منحصر ہو۔ دربار کی بے اثری بلکہ بے پیرزی روز روشن کیطرح آشکارا ہوچکی تھی
ر جو کچھ بھرم بنا تھا اسکی قلعی کھل گئی تھی۔ رُعب وسطوت کا نام بھی باقی نہ رہا تھا۔ خالی وضعداری
نباہ تھا کہ لوگ بظاہر گردن جھکاتے اور مراسم حلقہ بگوشی ادا کرتے تھے۔ البتہ انگریزون کے جاہ و
جلال۔ عاقلانہ تدابیر۔ حکیمانہ طرز عمل۔ اور فوجی شان وشکوہ کا سکہ ہر طرف جم گیا تھا۔ انکی تلوار
کالوہا سب مان چکے تھے اور اُن کے دماغون کی فراست سب کے دلونپر نقش ہوچکی تھی۔ ہر عاجز و
ماندہ عرض حاجت کرنے انھین پاس دوڑتا۔ ہر مظلوم و بیکس انھین سے داد بیداد مچاتا
صف الدولہ بھی مجبور تھے طبیعت مین نہ وہ جوش اور زور تھا کہ کسی کو خطرے خیال مین نہ لاتی
نہ یہ اولوالعزمی اور بے جگری کہ دوسرونکا مال تاکتے اور ہر ایک سے دست وگریبان ہوجاتے۔ اُنکو
نہی بنائی سلطنت ملی تھی۔ دلمین جو کچھ اُمنگ اور آرزو تھی ایسکی تھی کہ اطمینان اور سکون کے ساتھ
اپنے مقام پر بیٹھکے داد عیش وکامرانی دیجئے۔ کھائیے کھلائیے۔ دنیا کی بہار دیکھئے اور ہنس بول
کے زندگی گزار دیجئے۔ یہی وجہ تھی کہ انکی بائیس برس کے عہد حکومت مین اودھ کا یہ حال رہا کہ جیسے
ایک کھلونا تھا جس سے کمپنی بہادر کے نایبان سلطنت اپنے اپنے وقتون مین کھیلتے اور جی

بہلاتے رہے۔

آصف الدولہ نے دربار دہلی سے بہت کم سروکار رکھا۔ وہ ہر معاملہ مین انگریزونکے داد خواہ ہوتے اور انھین کو اپنا حامی و مددگار بلکہ ملجاو ماوا جانتے۔ البتہ ایکبار جب شاہ عالم کو ضابطہ خان نے بہت ستایا اور وہی ظلم وستم شروع کردیا جو غازی الدین نے اُنکے باپ کیساتھ کیا تھا۔ تو آصف الدولہ نے شاہ عالم کو روپیہ اور فوج کی کمک بھیجکے ضابطہ خان کے ظلم۔ زیادتی سے نجات دلادی۔ اور اسی خدمت کے صلے مین بادشاہ نے مملکت کی انکو بھی وزارت تفویض کردی۔

آصف الدولہ کی مسند نشینی پر کمپنی کی جانب سے یہ مسئلہ پیش ہوا کہ فریق معاہدہ شجاع الدولہ تھے۔ وہ مرگئے۔ اُنکی بات اُنکے ساتھ گئی۔ اب نیا کارخانہ ہوا ہے۔ نئی بساط بچھی ہے۔ نئی چالین چلی جائینگی۔ معاہدہ اور قرار داد بھی نئے ہونا چاہیئے۔ چنانچہ جدید عہدنامہ ہوا جسکی رو سے یہ طے پایا کہ نواب کسی یورپین کو بلا استرضائے کمپنی اپنی ملازمت مین نہ رکھین۔ شاہ عالم سے کمپنی اور نواب بطور خود کسی قسم کی معاملت نہ کرین۔ کوڑا اور الہ آباد نواب کے قبضہ و اختیار مین رہے بنارس جونپور غازیپور (جسکی آمدنی تیئیس ۲۳ لاکھ تھی) کمپنی کے پاس رہے۔ ماہواری خرچ فی بریگیڈ بجائے دو لاکھ دس ہزار کے دو لاکھ ساٹھ ہزار ٹھہری۔ شجاع الدولہ کے ذمے جو کمپنی کا واجب یا فتنی تھا اُسکی ادائی آصف الدولہ نے اپنے سر لی اور کمپنی نے وعدہ کیا کہ نواب کے مقبوضجات (جسمین کوڑا۔ الہ آباد۔ روہیلکھنڈ اور میان دوآب کا ملک بھی تھا) کے محافظ نگہبان رہینگے اور بیرونی دشمنون سے بچائے رکھینگے۔ اسی کے ساتھ ہی کچھ فوج کا اضافہ بارہ لاکھ سالانہ خرچ پر ہوگیا اور جو رزیڈنٹ دربار مین رہتا تھا اُسکی تنخواہ کے علاوہ ایک اور ایجنٹ لکھنؤ مین مقرر کیا گیا جسکی تنخواہ دو لاکھ بیس ۲۰ ہزار سالانہ نواب نے اپنے ذمے کرلی۔

انگریزونکے ظل عاطفت وحمایت کا سہارا پاکے آصف الدولہ بیرونی دشمنون حملہ آورون

اور اندرونی دعویداروں اور رقیبوں سے بالکل نڈر اور مطمئن ہو گئے۔ اور نظم و نسق مملکت و آراستگی سلطنت تو کجا۔ داد عیش و کامرانی دینے لگے۔ لیکن چونکہ فیض آباد مین اماں اور دادی کا رعب چھایا ہوا تھا۔ اُنکے سامنے مجال نہ تھی کہ جوانی کی اُمنگین نکل سکین اور کھلے بندوں جو چاہین کرین۔ اسلیے یاران انجمن نے یہی صلاح ٹھہرائی کہ فیض آباد کو چھوڑ کے لکھنؤ آباد کرنا چاہیئے۔ آصف الدولہ کی طبیعت تو راحت کی خواہان۔ آرام کی جویان تھی ہی۔ یہ خدا سے چاہتے تھے کہ آزاد و مطلق العنان رہکے دل کے شوق پورے کرین حوصلے نکالین۔ چنانچہ باختلاف روایات ۱۷۷۵ء یا ۱۷۸۱ء مین امارت کے سارے کارخانے لکھنؤ مین آ گئے۔ فیض آباد سونا ہو گیا اور لکھنؤ کی آبادی کی بنیاد پڑ گئی۔ لیکن لکھنؤ آ کے آصف الدولہ کو یہ وقت پڑی کہ جو کچھ نقد و جنس زر و جواہر کئی پشتونکی کمائی تھا وہ سب ماں اور دادی کے قبضے مین تھا اُسپر نواب کا دسترس نہ ہو سکتا تھا۔ ادہر کچھ تو خلقی سیر چشمی اور فیاضی کے سبب آمدنی پر خرچ بالا رہتا تھا۔ توفیر کجا اور کچھ انگریزوں کے مطالبجات کی وجہ سے روپیہ کی حاجت یوماً فیوماً بڑھنے لگی۔ کمپنی کے مطالبجات کا حال یہ تھا کہ ربڑ کی طرح بڑھتے ہی چلے جاتے تھے۔ اور اب بڑھتے بڑھتے ایک کرور سالانہ تک پہونچ گئے تھے جنمین سے بڑی کشمکش و کوشش کرنے سے ستر لاکھ سالانہ ادا ہوتا اور بیس لاکھ سالانہ بقایا کی مد مین پڑتا۔ نوبت باینجا رسید کہ ۱۸۰۱ء مین اس بقایا کی میزان بھی دو کرور دس لاکھ روپیہ ہو گئی۔

اگرچہ ان مطالبجات کی ادائی کے واسطے بہت کچھ فکر کی گئی لیکن کوئی تدبیر کارگر نہوئی بلکہ بعض صورتین ایسی پیش آتی رہین جنسے خرابی کے سامان بڑھتے اور مداخل گھٹتے ہی رہے۔ آخر نواب نے مجبور ہو کے ۱۷۷۵ء مین کمپنی سے رحم کی التجا کی۔ اتفاق یہ کہ

تھوڑے دن بعد وارن ہیسٹنگز کو روپیہ کی شدید ضرورتین داعی ہوئین اور وہ ۱۷۸۱ء مین چنار گڑھ نواب سے ملنے اور کچھ معاملات طے کرنے کی غرض سے تشریف لائے۔ نواب بھی وہین پہونچے دونون نے اپنی اپنی حالت اور ضرورت کو بیان کیا۔ چنانچہ یہ طے ہوگیا کہ بجز ایک بریگیڈ اور ایک زائد رجمنٹ کے اور جسقدر انگریزی فوج اودھ مین ہو وہان سے بلالیجائے۔ اور نواب کو اپنے جاگیرداروں کی بابت بھی یہ استحقاق حاصل ہو کہ جسکی جاگیر چاہین ضبط کرلین۔ البتہ وہ جاگیرین جنکی ضمانت انگریز کرچکے ہین اُنکے ساتھ یہ معاملہ کیا جائے کہ بہر نوع اُنکی آمدنی بذریعہ رزیڈنٹ اُنکو پہونچتی رہے۔ اسی طرح کمپنی کے مطالبجات کی ادائی کے واسطے یہ تدبیر نکالی گئی کہ کسی حیلہ وحوالہ سے ایک رقم کثیر بیگمات شاہی سے وصول کیجائے۔ اگرچہ آصف الدولہ پچپن چھپن لاکھ کے قریب مختلف وقتونمین ماں اور دادی سے وصول کرچکے تھے۔ لیکن اب کمپنی کی شدید ضرورت اور تقاضے سے مجبور ہوکے اُنکو پھر بھی چال چلنا پڑی چونکہ کمپنی کے واسطے روپیہ وصول کرنا تھا اس لئے اُنکو ہر طرح سے اطمینان تھا کہ اس کارروائی مین جو کچھ تشدد یا ظلم وستم بیگمات شاہی پر کیا جائیگا اُسمین انگریز مانع اور مزاحم نہونگے بلکہ ہر طرح چشم پوشی ہی کرینگے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور ستر سٹھ لاکھ روپیہ وصول ہوگیا۔ لیکن چونکہ یہ مقدار ناکافی تھی اس لیے دوسرے شکار کی تلاش کی گئی۔ فیض اللہ نواب۔ روہیلکھنڈ اس دام مین پھانسے گئے۔ اور جب تک اُنھون نے پندرہ لاکھ روپیہ پیشکش نہ کیے جان نہ چھوڑا سکے۔

ان تمام کارروائیون کا الزام چاہے آصف الدولہ کی کمزوری پر رکھا جاے چاہے جلاوت جنگ وارن ہیسٹنگز کی دھینگا دھینگی یا کمپنی کی موقت ضرورتون اور اُسکی سلطنت سازی کے منصوبون پر۔ بہر تقدیر اودھ کے واسطے یہ زمانہ کچھ اچھا نہ تھا۔

ایک طرف سے روپیہ کی مانگ تھی کہ برابر جاری تھی۔ اور نہ ملنے پر دھمکیان تھین خفگیان
تھین اور ملنے پر چشم پوشی۔ دوسری طرف خزانے کے منھ کھلے ہوئے تھے اور کشادہ
دلی و بلند نظری کا اظہار بیدریغ زرپاشی پر آرہا تھا ہمت عالی کے سامنے ملکی ضروریات
انتظامی اور سیاسی اصول سب بالائے طاق رکھ دیے گئے تھے۔ چشم مروت باعث
خانہ خرابی ہو رہی تھی۔ خیریت گزری کہ یہ حالت زیادہ دنون قائم نہ رہی اور
بعد چندے لارڈ کارنوالس صاحب زیب دہ ایوان گورنری ہوگئے۔ اور ۱۷۸۷ء
مین نواب نے اپنی پریشانی حالت اُنپر ظاہر کرنے کے واسطے امیر الدولہ حیدر بیگ
خان کو کلکتہ بھیجا۔ اُسوقت کی پریشانی کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہو کہ امیر الدولہ کو "۱۸
لاکھ روپیہ سرکار سے سفر خرچ عنایت ہوا اور کرور روپیے تک صرف کی اجازت" دیگئی
امیر الدولہ نے لارڈ صاحب سے یہ اسباب پریشانی بیان کیے "ایک تو قلت مداخل
کثرت مخارج۔ مصارف امیرانہ لابدی۔ تیسرے نقصان چہارانی جسکا سالانہ قسط چھپن
لاکھ ستتر ہزار ہوتا ہی۔ ملک بنارس وغیرہ محاصل ۱۲ لاکھ ہدیۂ دوستانہ سرکار کمپنی کو
دیا۔ چوتھے لکھا روپیہ صرف ضیافت و سامان روشنی و تماشائی ہولی۔ بسنت وغیرہ محض
بخاطر صاحبان عالیشان نو وارد ہوتا ہی۔ تجار انگریزی اسباب تجارت وغیرہ ولایت
سے لاتے ہین اُنپر محصول نہین۔ چھٹے تاجران ولایت جو رطب یابس لاتے ہین عرض
کرتے ہین ہم بڑی دور سے یہ اسباب تحفۂ ولایت فقط حضور کے واسطے لائے ہین۔
ہندوستان مین سواے حضور کے کون قدردان ہی جو ایسے ایشیائی تحفۂ کمیاب کو مول لے
جناب عالی (یعنے آصف الدولہ) اپنی بلند نامی کیواسطے ملاحظہ فرما کے سب مال تر و خشک
لے لیتے ہین اور جسقدر وہ قیمت لکھ بھیجتے ہین اُسکی دلائی ہمپر ہوتی ہی۔ ہم حکم حاکم سمجھکے

بجا لاتے ہین اور اس قرضے کا سود ہمین دینا پڑتا ہی" لارڈ کارنوالس نے ان معقول اسباب پریشانی پر اپنی ہمدردی ظاہر کی۔ چھ آنے مین دو آنے موقوف کیے۔ ملک بنارس وغیرہ کا استرداد منظور کیا اور حکم دیا کہ کوئی تاجر بے صاحب رزیڈنٹ یا کوئی تازہ ولایت نواب تک نہ پہونچا کرے اور تجار پر حسب سرشتہ حکم محصول دیا۔ یعنے فیصد پانچ روپیہ لیا جاے۔ اردن صاحب لکھتے ہین کہ "لارڈ صاحب نے کمپنی کا ایجنٹ بھی جسکی بابت دس لاکھ سالانہ کے قریب خرچ پڑتا تھا موقوف کردیا۔ لیکن ان سب مین استرداد ملک بنارس کو نواب نے "بمقتضاے ہمت عالی" قبول نہ فرمایا"۔

اودھ کے دن اچھے نہ تھے کہ لارڈ کارنوالس کے بعد سر جان شور صاحب گورنر جنرل ہوکے آئے۔ اُنھون نے جو کیا تو یہ کیا کہ جب ۱۷۹۷ء مین لکھنؤ تشریف لائے تو دو وزا مدبرین جنٹلمین ساڑھے پانچ لاکھ سالانہ کے خرچ سے مسلط کرگئے۔ دوسرا تحفہ لارڈ صاحب یہ دیگئے کہ علامہ تفضل حسین خان کو ملاگیری سے وزارت پر فائز کرگئے۔ نواب کے منظور نظر میان الماس تھے اور وہ انھین کو اس منصب کے شایان سمجھتے تھے۔ لیکن اب زمانہ یہ آگیا تھا کہ اندرونی معاملات اور فروعی انتظامات بھی بغیر صلاح و مشورہ کے لارڈ صاحب طے نہین ہوتے تھے۔ اگرچہ میان الماس کی انتظامی قابلیت ہردلعزیزی اور وفاداری و جان نثاری کی بابت سلیمن صاحب تک رطب اللسان ہین۔ لیکن سر جان شور کو اُنکی وزارت بدینوجہ نامنظور کرنا پڑی کہ کسی وقت مین لارڈ کارنوالس صاحب اُنکے خلاف کچھ لکھ جاچکے تھے۔ بہرحال مُلّا کی قسمت مین ایکبار عروج پانا لکھا تھا۔ کچھ دنون کے لیے رتی چمک گئی۔ وزارت پاگئے اور چند ہی روز مین مالامال ہوگئے۔ لیکن آصف الدولہ کا ساغر حیات لبریز ہوچکا تھا۔ ملا بیچارے کی تقدیر نے بھی کچھ زور نہ لگایا

نواب بیمار پڑے۔ استسقا ہو گیا۔ اور ستمبر ۱۷۹۷ء مین عدم مقام ہو گئے۔

آصف الدولہ کا زمانہ اگرچہ گرد و پیش کے حالات و اسباب کے تبدیل ہو جانیکے سبب ایسا نہین ہوا جسے دور ترقی مین شمار کر سکین۔ لیکن اس مین کچھ شک کہ ملک کی عام بے امنی اور طوائف الملوکی کے ہنگامے مین اُنکا انگریزون کی رضا جوئی کرنا بھی وقتی ضرورتون کے لحاظ سے بہت مناسب اور نتیجہ خیز ہوا۔ اسمین بھی شک نہین کہ آصف الدولہ کے وقت سے جسطرح لکھنؤ کی آبادی کی بنیاد پڑی اسی طرح ایک جدید دور بھی شروع ہو گیا۔ وہ اپنے جانشینون کے واسطے ملک گیری اور معرکہ آرائی کی شاہ راہ سے الگ ہو کے ایک نئی سڑک قناعت کے ساتھ اپنی دستار سبنھالے ہوے چلنے کی بنا گئے۔

داد و دہش زر ریزی اور گھر پاشی کے لحاظ سے آصف الدولہ اپنے وقت کے حاتم تھے نہین نہین۔ پارس پتھر کہنا چاہیئے کہ جو چھو گیا خاک سے پاک ہو گیا۔ انگریزون کو جو کچھ مِلا اسکا تو کچھ حساب نہین کمپنی تو کمپنی ادنیٰ ادنیٰ ملازم لاکھون روپیہ کما لیگئے۔ دہلی کے شہزادے جو وارد و صادر ہو جایا کرتے تھے۔ جب تک رہتے تھے مہمان نوازی کے وہ لطف اُٹھاتے تھے کہ گھر بھول جاتے تھے۔ جب جانے لگتے جیب و دامن بھر بھر کے لیجاتے تھے۔ پھر ہندوستانی مقربان بارگاہ کے مداخل و مخارج کا کیا پوچھنا ہے۔ ایک ایک سرکار کے کرّ و فر۔ جاہ و حشم وہ تھے کہ اور ملکون کے بادشاہون سے دعواے ہمسری رکھتے تھے۔

ایسے سیر چشم۔ دریا دل حکمران کے عہد حکومت مین کسی نئے شہر کی آبادی کی بنیاد پڑنے ہی سے سمجھ مین آسکتا ہے کہ یکایک کیونکر جنگل مین منگل ہو گیا۔ خود آصف الدولہ

نے آتے ہی تعمیرات کا جو محکمہ کھولا اور اُسی کے ساتھ امرائے دولت و اعیان ریاست
نے عالیشان عمارتون کا جو سلسلہ شروع کیا اُسنے لاکھون بندگان خدا کی کفالت کی
ہزارون کو مالامال کر دیا۔ اور وہ لکھنؤ جو چند دیہات کے مجموعہ سے زیادہ نہ تھا۔
جسمین خرابے اور زمین شور کے سوا کسی طرف کچھ نظر نہ آتا تھا۔ بنجر۔ بیٹر زمین۔ اونچی
ٹیکری گہرے گہرے نالے ہر طرف دکھائی دیتے تھے۔ کہین جھاڑیون جھنکاریون سے
جنگل کا سمان تھا۔ کہین پھوس کے چھپرون اور کچے مکانون سے گاؤن کی کیفیت
چند ہی دن کی مدت مین ایک اچھا خاصہ شہر بنگیا۔ ہر طرف آبادی ہوگئی۔ بازار
لگ گئے۔ گنج بن گئے۔ سڑکین نکل گئین۔ اور گلی کوچے مین کنچن برسنے لگا بڑی بڑی
کوٹھیان اور محلسرائین بنین۔ باغ باغیچے لگے پھلواریان آراستہ ہوئین۔ امامباڑے
بنے مسجدین تعمیر ہوگئین۔ اور ہر طرف چہل پہل ہوگئی۔

اتفاق یہ کہ اب زمانہ وہ پُرآشوب آگیا تھا کہ خاندان تیموریہ کی روز افزون
تباہی اور اسلامی سلطنت کے ضعف و انحطاط سے پایہ تخت ویران ہو رہا تھا۔
پُرانے پُرانے خاندان مٹنے لگے تھے اور وہ لوگ جو بزرگونکی ہفت ہزاری اور
صوبہ داری کے جاہ و حشم مین ناز و تنعم سے پلے تھے شکستہ حال اور محتاج و فاقہ کش
ہو ہو کے خانمان خراب ہو رہے تھے لیکن دہلی سے نکلین تو جائین کہان۔ ہر طرف
آگ لگی ہوئی تھی۔ کہین امن نہ تھا ملک کی حالت یہ ہو رہی تھی کہ ایک طرف مرہٹے سر
اُٹھائے ہوے ہین۔ اُنکے گھوڑون کی ٹاپون سے ادہر راجپوتانہ اُدہر مالوہ بندیلکھنڈ
اور گجرات مین ہلچل مچی ہوئی ہی۔ لڑتے بھڑتے لوٹتے مارتے۔ گاؤن کو ویران کرتے
اور شہرون کو تباہ کرتے ابھی ادہر سے نکل گئے ابھی اُدہر سے۔ سارا ملک تہ و بالا

ہو رہا ہی۔ کہین چین نہین۔ دوسری طرف پنجاب مین سکھا شاہی کے جور وجفا سے خلقت جان بلب ہو رہی ہی۔ تعصبات مذہبی کے شعلے آسایش عامہ کے لیے برق خرمن سوز کا کام کر رہے ہین۔ چین سے پاؤن پھیلا کے سونا تو کجا جان ومال۔ عزت وآبرو کی ہر شخص خیر منا رہا ہی۔ ایک طرف ٹیپو سلطان کی نخلی طبیعت اور فرانسیسیون کی سیف وقلم کی دھاک بندھی ہوئی ہی۔ جدال وقتال۔ صف آرائی اور میدان داری کا بازار گرم ہے دوسری طرف پنڈھاریون کی لوٹ مار سے بستیان اُجاڑ اور راستے مخدوش ہین ایسی مصیبت۔ تباہی۔ بے امنی۔ اور جان بلبی کے وقت جو کچھ سکون وقرار۔ راحت واطمینان کا سامان نظر آتا تھا تو اودھ کے چھوٹے سے ٹکڑے مین۔ پھر آصف الدولہ کی فیاضی وسیر چشمی کا غلغلہ بھی بلند ہو چکا تھا۔ ہندوستان کے ہر گوشہ وزاویہ سے جو زمانہ کا ستایا اور آفت کا مارا نکلتا اودھ ہی کیطرف جھکتا۔ شریف اور خاندانی امیر زادے۔ سپاہی منش اور تلوار کے دھنی سورما۔ ہر علم کے عالم اور ہر فن کے کامل سبھی رنگ اور سبھی مذاق کے لوگ آنے اور جوہر شناس رئیس اور اُس کے قدردان درباریونکی داد ودہش اور بذل وایثار سے یہین رہ جانے لگے۔ اور ان باتون نے لکھنؤ کو لکھنؤ بنا دیا۔ اور اُسکا آوازہ چار دانگ عالم مین بلند کر دیا۔

خود آصف الدولہ نے جو عمارتین بنائین اُنکی صنعت تعمیر اور شوکت وعظمت آجتک بنانیوالے کی نیت پر گواہی دے رہی ہین۔ حسن باغ۔ عیش باغ۔ چار باغ اکا نام ابھی تک مشہور رہی۔ دولت خانہ۔ ببیاپور کی کوٹھی۔ چنہٹ کی کوٹھی کے اب صرف کھنڈر رہین۔ لیکن۔ بڑا امامباڑہ اور رومی دروازہ جسمین اینٹ اور چونے کی وہ صناعی دکھائی گئی ہی کہ اہل یورپ بھی اُسکی تعمیر دیکھکر دنگ رہجاتے ہین۔ ابھی تک

اُس نیک دل۔ غریب پرور۔ عاجز نواز اور فیاض نواب کی نیک نیتی کو ظاہر کر رہا ہی اور زمانے کے ظالم ہاتھ کی چوٹین بچا تا اپنی حالت پر قائم ہی۔ یہی اماماباڑہ بعد مرگ نواب کی خوابگاہ ہوگیا اور اسوجہ سے ملا محمد خطائی شوستری کی یہ تاریخ ناہہنا روح و ریحان وجنّت النعیم" سر بالین بہت لطف دے رہی ہی۔

آصف الدولہ کے بعد وزیر علیخان اُنکے بیٹے بنکے تخت نشین ہوے لیکن انگریز انسے دل صاف نہ رکھتے تھے۔ اور اُنکو بھی اپنر اطمینان نہ تھا۔ پانچ ہی چار مہینے بیٹھے تھے کہ کچھ ایسے حرکات ناروا و ناسزا بھی صادر ہوے۔ جنسے قدیمی خانہ زاد معتمد الخدمت اہل دربار۔ بھائی بند اور رعایا برایا مین برہمی پیدا ہوگئی۔ اور اس شورش کی اطلاع سنکے سرجان شور کو کلکتہ سے آنا اور لکھنؤ مین نواب کا قلع قمع کرنا پڑا۔ نواب حراست مین کر کے بنارس بھیجدیئے گئے۔ تین لاکھ سالانہ وظیفہ مقرر کردیا گیا۔ لیکن اپنے ہتکھنڈون سے نہ باز آئے اور کچھ روز سرشوری کے ساتھ ادہر اُدہر دن گزارتے۔ فتنے اُٹھاتے۔ ہنگامے برپا کرتے رہے۔ آخر عمر مین کلکتہ مین قیدیون کیطرح زندگی کے دن پورے کر کے ناشاد و نامراد دنیا سے اُٹھ گئے۔ مقام عبرت ہی کہ وہ شخص جس کی شادی کتخدائی مین تیس لاکھ روپیہ صرف ہوا اُسکے کفن دفن مین ستر روپیہ سے زیادہ نہ صرف ہوا فاعتبروا یا اولی الابصار۔

(۶) نواب سعادت علیخان

اُنکا پورا خطاب یمین الدولہ ناظم الملک دلبعد چندے افتخار الملک ہے نواب سعادت علیخان بہادر مبارز جنگ۔ تھا شجاع الدولہ کے بیٹے اور آصف الدولہ کے بھائی تھے۔ لیاقت

وکاردانی اور فراست وہوشمندی کے جوہر خداداد لائے تھے۔ باپ کے وقت میں بریلی کے صوبے کا سارا کام اُنھیں کے سپرد تھا۔ وہیں اپنے جوہر ذاتی کے دکھانے میں مصروف تھے۔ جب بڑے بھائی (آصف الدولہ) کہ مسند نشین اور اپنے سے بدظن پایا بمقتضائے حزم واحتیاط الگ تھلگ رہے۔ نہ دعویدار ریاست ہوئے نہ رقیب مملکت بنے۔ لیکن آصف الدولہ نے اسے گوارا نہ کیا۔ مصلحت اسی میں سمجھی کہ انھیں نگاہ کے روبرو رکھیں۔ بُلایا اور بہت تپاک سے بُلایا۔ یہ نہ آئے۔ اُنھوں نے انگریزوں کو بیچ میں ڈالا۔ اُدھر سے فہمایش بھی ہوئی دباؤ بھی پڑا۔ مجبور ہو کے آئے۔ لیکن صحبت برآر نہو سکے۔ یہاں کا قوام بگڑا ہوا تھا۔ نائب الریاست کو سیاہ وسفید کا مالک اور رئیس کو غافل وازخود رفتہ دیکھکے جی نہ لگا۔ آخر بنارس میں جا کے رہنے لگے تین لاکھ روپیہ سالانہ وظیفہ مقرر ہو گیا۔ بعد چندے جب آصف الدولہ کو ملک کی بدنظمی پر توجہ ہوئی۔ اہلکاروں کی بداعمالیوں پر آنکھ کھلی مختار الدولہ کی نیابت اُنکے تمرد اور تبختر کی وجہ سے خار گزرنے لگی۔ یہ بھی آئے اب زمانہ یہ آ لگا تھا کہ بعض ارکان دولت کے سروں میں بھی خیالات فاسد راہ پائے اپنے ہی مرغانِ دست پرور آنکھیں دکھانے لگے تھے۔ بسنت علیخاں سپہ سالار افواج کے دل میں نواب اور نائب دونوں کی طرف سے بدی آچکی تھی نتیجہ یہ ہوا کہ مختار الدولہ اور بسنت علیخاں موت کے گھاٹ اُترے اور سعادت علیخاں جان بچا کے اکبر آباد کی طرف نکل بھاگے۔ ایک ہی دن میں نائب الریاست۔ سپہ سالار عساکر۔ اور قوت بازو بھائی نے نواب سے کنارہ کیا ؎

آصف الدولہ کے مرنے پر جب وزیر علیخاں کی مسند نشینی کی خبر سنی سعادت علیخاں

کو اپنی فکر پڑی - پیشترہی سے بند وبست کر چکے تھے - اور انگریزوں کے قول و قرار عہد و پیمان پر مطمئن بیٹھے تھے - یہ خبر سنتے ہی فوراً کلکتہ چلے کہ وہیں جا کے کوئی صورت نکالیں معاملہ طے کریں - اپنے حقوق اور انگریزوں کے مواعید یاد دلائیں - رحم کی درخواست کریں - صلہ و مکافات سلوک و مدارات کی پرچک دیں - اقبال پہلے ہی سے یاوری پر کمربستہ تھا - راستے ہی میں تھے کہ لکھنو سے طلب پہونچی - ادھر خانِ علامہ نے ریشہ دوانی کی - ادہر بہو بیگم صاحبہ کا شقہ خاص پہونچا - اسے لطیفہ غیبی سمجھ کے پلٹ پڑے - تقدیر کے کارخانے دیکھو کہ جس شام کو یہ کانپور پہونچے اسی کی صبح کو وزیر علیخاں لکھنؤ میں گرفتار ہوگئے - انکے واسطے میدان صاف ہوگیا القصہ انگریزوں کے ظل حمایت میں بسنت کے دن ۲۱ جنوری ۱۷۹۹ء کو بڑے تزک و احتشام سے داخل شہر ہوئے

کسی نے تاریخ کہی ؎

تاریخ مقدمش راجستم زپیر دانش	گفتا بگو سعادت باصد سعادت آمد

مسند نشینی سے پہلے ہی انگریزوں سے یہ معاہدہ ہوگیا کہ کمپنی کو چھپن لاکھ کے عوض چہتر لاکھ سالانہ ماہوار قسطونمیں دیا کریں - وزیر علیخاں کو ڈیڑھ لاکھ سالانہ رزیڈنٹ کی معرفت پہونچتا رہے - بارہ لاکھ روپیہ بطور نذرانہ کمپنی کو بمعاوضہ اس زیر باری کے دیا جائے جو اس مسند نشینی کے بارے میں اسکو ہوئی ہو - گورنمنٹ انگریزی کی اطلاع اور منظوری بغیر نہ کسی بیرونی سلطنت سے کوئی رسم و راہ پیدا کی جائے نہ کوئی پوربین ملازم رکھا جائے - الہ آباد کا قلعہ کمپنی لیلے اور آٹھ لاکھ روپیہ اسکی مرمت و درستی کے واسطے نواب دیں - کمپنی نے وعدہ کیا کہ اودھ کے واسطے دس ہزار فوج ہر وقت تیار رکھے گی - اور اگر کبھی تیرہ ہزار سے

زیادہ یا آٹھ ہزار سے کم رکھنے کی نوبت آئیگی تو اُسکے مصارف گھٹتے بڑھتے رہیں گے۔

سعادت علیخاں کی زیرکی وفراست کی وجہ سے وہ لوگ جو آصف الدولہ کی فیاضی چشم مروت اور درگزر کی بدولت زوروں میں بھرے ہوے۔ دولت وثروت پا کے خودی سے باہر ہو رہے تھے۔ اب بہت ہراساں ہو گئے کاغذی گھوڑے دوڑانے لگے۔ سعادت علیخاں بھی ایک ایک کے کچے چٹھے سے واقف تھے۔ اور بھائی کے عہد حکومت کی ابتری و بدنظمی۔ نااہلوں کی ترقی باکمالوں کی کس مپرسی۔ عمال سرکاری کی خیانت و بدکرداری۔ حکام کی جور و تعدی رعایا کی مظلومی و بیدلی اور زمینداروں تعلقداروں کی شورہ پشتی و نادھندی سے سینے میں ہزاروں داغ رکھتے تھے۔ اور خوب سمجھے ہوے تھے کہ پرانے پرنے نکالے نئے لگائے بغیر کام نہ چلیگا۔ جب تک انتظام نئے کینڈے پر نہو گا۔ سیاست وملکداری کے اصول سختی سے نہ برتے جائیں گے۔ یہ بیل منڈھے نہ چڑھے گی۔ اُدھر پولٹیکل تعلقات میں سلطنت مغلیہ کے روزافزوں ضعف و انحطاط اور انگریزوں کی ترقی اقبال سے جو صورت پیدا ہو گئی تھی اُسکے لحاظ سے بھی یہ بیحد ضروری تھا کہ پھونک پھونک کے قدم رکھیں اور اپنی پگڑی سنبھالے ہوے چلیں۔ انھوں نے سب سے پہلے یہی انتظام کیا کہ کمپنی کے مطالبجات معینہ اوقات پر پہونچانے لگے باقی ساقی کا جھگڑا ہی نہ رکھا۔ پھر سال بھر تک اندرونی انتظامات میں ہاتھ نہ لگایا تغیر تبدل۔ عزل و نصب سب ملتوی رکھا۔ رفتہ رفتہ مخربان دولت اور بدخواہان ریاست کو ایک ایک کرکے دور دفان کیا۔ کسی کو موقع سے ادھر اُدھر ٹالا۔ دور پھینکا کسیکو کان پکڑکے نکالا۔ محاصل ملک پر توجہ کی بہت سی جاگیریں معافیاں جو غیر مستحق اور

نا اہل لوگوں کو آصف الدولہ نے محض علوی ہمتی سے دے رکھی تھیں ضبط کیں۔ تعلقداروں کی نا نکاری مٹائیں۔ اجارے اور ٹھیکے توڑے۔ امانی کا بندوبست شروع کیا۔ عمال سرکاری کی کرتوتوں سے واقف اور مطلع رہنے کے واسطے اخبار نویسی کا محکمہ قائم کرکے منتخب اور معتمد لوگوں کو اس کام پر متعین کیا۔ اتفاق یہ کہ اسی زمانے میں لارڈ ولزلی صاحب ہندوستان کے گورنر جنرل ہو کے آئے۔ ہندوستان کی پولٹیکل تاریخ میں یکایک نیا دورہ شروع ہوا۔ یہ وہ وقت تھا کہ مرہٹوں اور فرانسیسیوں کی اُلوالعزمیوں اور معرکہ آرائیوں سے انگریزی مقبوضات بھی خدشے اور خطرے کی حالت میں پڑ گئے تھے۔ اُدھر زماں شاہ کے حملے کی خبریں گرما گرم آ رہی تھیں۔ ہر خفتہ و بیدار خبردار ہو رہا تھا۔ لارڈ ولزلی صاحب نے نہایت پامردی اور استقلال سے ان تمام بلاؤں کا مقابلہ کرنا چاہا اور اپنی قوت کے بڑھانے اور انگریزی اقتدار کے برقرار رکھنے بلکہ ایک مستقل اعلیٰ حکومت قائم کرنے پر تمامتر ہمت مصروف کر دی۔ انھوں نے نواب پر زور ڈالا کہ آصف الدولہ کے وقت کی جو ستر اسّی ہزار فوج اودھ میں ہو اُسے گھٹا کے اُسکے بجائے انگریزی فوج کچھ اور بڑھا لیں۔ نواب کو یہ گوارا نہ ہوا۔ قیل و قال شروع ہوئی۔ اسمیں بات بڑھ گئی۔ معاملے نے طول کھینچا۔ بے لطفی کی نوبت پہونچی۔ نواب نے آشفتہ ہو کے خلع حکومت کی دھمکی دی۔ مگر وہاں ایسی دھمکیوں سے کیا اثر ہو سکتا تھا۔ مصالح ملکی اور مآل اندیشی نے دل فولاد کے بنا دیے تھے جو تجویز تھی پتھر کی لکیر تھی کہ دنیا اِدھر سے اُدھر ہو جائے وہ نہ مٹے۔ نوبت بانجا رسید کہ انگریزی فوجیں اودھ کیطرف بڑھیں۔ مناقشات و مشاجرات کا دروازہ کھلا ہی چاہتا تھا کہ نواب کی

آنکھ کھل گئی۔ مآل کار پر نظر گئی۔ سوچے کہ بگاڑ سے کام نہ نکلے گا اور شامت آجائیگی۔ اُلٹی آنتیں گلے پڑینگی۔ آخر کار فوج جسمیں سراسر آخور کی بھرتی تھی بہت کچھ تخفیف میں آئی اور چون لاکھ سالانہ کے صرف سے انگریزی بارہ پلٹنیں اودھ میں متعین ہو گئیں۔ اب کمپنی کے مطالبجات کی میزان ایک کرور پچتیس لاکھ سالانہ پر پہونچگئی۔ لیکن فوج کی تخفیف سے صرف ایک لاکھ پینسٹھ ہزار کی بچت نکلی جب نواب نے اسپر شکوہ و شکایت کا دفتر کھولا۔ اپنی معذوری مجبوری ظاہر کی تو لارڈ ولزلی صاحب نے یہ بحث پیش کر دی کہ اگر بطور خود ادائی مطالبجات سرکاری کا انصرام نہیں ہو سکتا تو نصف حصۂ ملک بطور ضمانت تفویض سرکار کمپنی کر دیا جاے۔ اور اسمین اسقدر انہماک ظاہر کیا کہ عہدنامے کا مسودہ اپنے بھائی ہنری ولزلی کو دیکے لکھنؤ بھیجا کہ جائین اور تکمیل کرلائین۔ چنانچہ تھوڑی گفت و شنید کے بعد ۱۰ نومبر ۱۸۰۱ء کے عہدنامے پر دستخط ہو گئے۔ جسکی رو سے اضلاع روہیلکھنڈ۔ فرخ آباد۔ مین پوری۔ اٹاوہ۔ کانپور فتحگڈھ۔ الہ آباد۔ اعظم گڈھ۔ بستی اور گورکھپور کمپنی کے تفویض ہو گئے۔ اس زمانے مین اس حصۂ ملک کی آمدنی ایک کرور پچتیس لاکھ تھی۔ لیکن ۱۸۴۶ء مین اسٹامپ اور آبکاری ملاکے دو کرور گیارہ لاکھ ہو گئی تھی۔ اور اب تو تین کرور سے زائد ہے۔ اس کارروائی کا ایک اثر یہ ہوا اودھ تین طرف سے انگریزی مقبوضجات کے حلقے میں محفوظ ہو گیا۔ اور چوتھی سمت تو نیپال کا کوہستانی سلسلہ سد سکندری تھا اسی معاہدہ مین یہ طے ہو گیا کہ انگریزی فوج ہمیشہ کے واسطے اودھ سے اُٹھ جائیگی اور اسکی بابت نواب کو کچھ دینا نہ پڑے گا۔ البتہ نواب کو اجازت ہے کہ اندرونی انتظام کے واسطے چار پلٹنیں پیدل فوج کی ایک رجمنٹ نجیبوں کی دو ہزار تین سو توپچی گولہ انداز اپنے ہاں رکھیں۔

نواب سعادت علیخاں کو اتنے بڑے حصۂ ملک کے نکل جانے سے رنج تو کیوں نہیں ہوا۔

لیکن آنکھ پھوٹی پیر گئی سمجھکے دلکو تشکین دے لی کہ بلا سے ملک گیا تو گیا آئے دن کی جھگڑ کیوں خفگیوں۔ وانتا کلکل سے تو نجات ملگئی۔ روز روز کے تقاضے تو نہوں گے۔ اب جسقدر ملک ہاتھ میں ہو اسی پر قناعت کرنا اسی کے بندوبست میں مصروف رہنا چاہیئے۔ چنانچہ اسکے بعد نہایت بیدارمغزی اور معدلت پناہی سے کاروبار ملکی پر متوجہ ہوئے۔ شب و روز کا اکثر حصہ کاغذات کے دیکھنے سننے۔ اراکین سے مشورہ و استصواب کرنے اور حکم احکام جاری کرانے میں صرف کرنے لگے۔ پرچہ نویسوں کی رتی خوب چمکی۔ اخبار نویس ہرکاروں کی بن آئی۔ لیکن کیا مجال کوئی جھوٹی خبر تو لکھے۔ سعادت علیخاں کی فکر صائب اور تدبیر عاقلانہ کی روائتیں حکایتیں بہت مشہور ہیں۔ چنانچہ ایک مورخ کا بیان ہو کہ جب آدھا ملک انگریزوں کے سپرد کر چکے تو رات دن اسی فکر میں ڈوبے رہنے لگے کہ کسیطرح اسکی تلافی کرنا چاہیئے۔ تلوار کے دھنی نہ تھے کہ کچھ سر اُٹھاتے اور مردانگی کے جوہر دکھاتے میدان میں آتے۔ سوچتے سوچتے یہی بات نکالی کہ ایک وکیل لندن بھیجا اور کورٹ آف ڈائرکٹرس کے سامنے تمام مقبوضجات کمپنی کی مستاجری کا معاملہ پیش کیا۔ وہاں درخواست پذیرا ہوئی لیکن یہ شرط پیش کیگئی کہ اٹھارہ کروڑ روپیہ پیشگی داخل ہو جائے چنانچہ نہیں معلوم کس طرح جفا وکفا سے بسر کرکے سترہ کروڑ روپیہ نواب نے جمع کر لیا۔ ایک کروڑ کی فکر باقی تھی۔ وہ بھی ہو جاتی لیکن ع قسمت کی کم نصیبی کو صیاد کیا کرے۔ موت نے فرصت نہ دی۔ سارا منصوبہ خاک میں ملگیا۔ ایک روایت یہ بھی تاریخوں میں لکھی ہو کہ گور آوسلی صاحب جو نواب کے بڑے دوست اور مصاحب خاص تھے رخصت لیکے ولایت گئے انکو نواب کی بہبودی اور ترقی ملک و اقبال کا بہت بڑا خیال تھا۔ انھوں نے ولایت جاکے یہ تجویز ٹھہرائی کہ لارڈ ہیسٹنگ جو جارج چہارم شاہ انگلستان کے بڑے رفیق ہیں بسبب افلاس دبے زری تنگدست و پریشاں حال ہیں۔ اُن کے ساتھ اگر کچھ سلوک کیا جائے۔ تو ضرور کوئی راہ

نکل آئے ''۔ انھوں نے نواب کو اُنکے حال پر اختلال پر متوجہ کیا۔ چنانچہ نواب کی دولت
انکا باپ کتا۔ دلدر مٹا۔ وہ اس غائبانہ عنایت اور مدارات کے بہت مشکور اور احسانمند
ہوئے۔ اتفاق یہ کہ بعد چندے وہ ہندوستان کے گورنر جنرل ہو کے آئے۔ آتے ہی آتے انھوں
نے نواب کے یہ گوشگوار کرادیا کہ مین تو صرف آپکے معاملات کی درستی کے لیے ہندوستان
آیا ہوں۔ یہ خوشی سے جامے میں پھولے نہ سمائے۔ اکثر یہی بات زبان پر لائے۔ دوستوں
دشمنوں میں چرچے ہونے لگے۔ آخر کسی بدخواہ نے موقع پا کے زہر دیدیا۔ شب بھر کرب
و بیچینی رہی۔ دوسرے دن ۲۴ رجب روز دوشنبہ ۱۲۲۹ھ مطابق ۱۲ جولائی ۱۸۱۴ء
کو روح نے قالب خاکی سے پرواز کیا۔ ''آہ شد گنج سعادت در زمین'' تاریخ وفات ہوئی
اور جنت آرامگاہ لقب ملا۔

سعادت علیخان کو ملکی مصلحت سے اگرچہ بہت دنوں تک بیحد کفایت شعاری سے
بسر کرنا پڑی۔ پھر بھی لکھنؤ کی زیب و زینت میں اُنھوں نے کوئی کمی نہیں کی۔ اُنکے نام کا گنج
اب تک آباد ہی۔ انکی بنائی اور بنوائی ہوئی کوٹھیوں میں سے بھی بعض ابتک موجود ہیں
تعمیرات کی مد میں انھوں نے بہت کچھ خود صرف کیا بہت کچھ شہزادون کو دیکے اُن سے
صرف کرایا۔ اُنکے وقت کی عمارتیں ایک سلسلے سے شہر کے شمالی حصہ میں دور تک
چلی گئی تھیں۔ اگرچہ اب انمیں بہت کم اچھی حالت میں رہگئی ہیں۔ پھر بھی اُنکی یاد
تازہ کرنے کے واسطے کافی ہیں۔ دلکشا۔ حیات بخش۔ دار الشفا۔ کنکڑ والی کوٹھی
نور بخش۔ بادشاہ منزل۔ چینی بازار۔ ٹیڑھی کوٹھی۔ موتی محل۔ دلارام۔ خورشید
منزل۔ فرح بخش۔ قصر السلطان اور بیلی گارد کی اینٹوں سے اب بھی سعادتعلیخاں
کا نام و نشان چلا جاتا ہو۔ محمد باغ کو زمین وسیع سے گھیر کے رمنہ انھیں نے بنوایا تھا

نااہل لوگوں کو آصف الدولہ نے محض علوی ہمتی سے دے رکھی تھیں ضبط کیں۔ تعلقداروں کی نانکاری مٹائیں۔ اجارے اور ٹھیکے توڑے۔ امانی کا بندوبست شروع کیا۔ عمال سرکاری کی کرتوتوں سے واقف اور مطلع رہنے کے واسطے اخبار نویسی کا محکمہ قائم کرکے منتخب اور معتمد لوگوں کو اس کام پر متعین کیا۔ اتفاق یہ کہ اسی زمانے میں لارڈ ولزلی صاحب ہندوستان کے گورنر جنرل ہو کے آئے۔ ہندوستان کی پولٹیکل تاریخ میں یکایک نیا دورہ شروع ہوا۔ یہ وہ وقت تھا کہ مرہٹوں اور فرانسیسیوں کی اولوالعزمیوں اور معرکہ آرائیوں سے انگریزی مقبوضجات بھی خدشے اور خطرے کی حالت میں پڑ گئے تھے۔ اُدھر زماں شاہ کے حملے کی خبریں گرما گرم آ رہی تھیں۔ ہر خفتہ و بیدار خبردار ہو رہا تھا۔ لارڈ ولزلی صاحب نے نہایت پامردی اور استقلال سے ان تمام بلاؤں کا مقابلہ کرنا چاہا اور اپنی قوت کے بڑھانے اور انگریزی اقتدار کے برقرار رکھنے بلکہ ایک مستقل اعلیٰ حکومت قائم کرنے پر تمام تر ہمت مصروف کر دی۔ انھوں نے نواب پر زور ڈالا کہ آصف الدولہ کے وقت کی جو ستر اسی ہزار فوج اودھ میں ہے اُسے گھٹا کے اُس کے بجائے انگریزی فوج کچھ اور بڑھا لیں۔ نواب کو یہ گوارا نہ ہوا۔ قیل و قال شروع ہوئی۔ اسمیں بات بڑھ گئی۔ معاملے نے طول کھینچا۔ بے لطفی کی نوبت پہونچی۔ نواب نے آشفتہ ہو کے خلع حکومت کی دھمکی دی۔ مگر۔ وہاں ایسی دھمکیوں سے کیا اثر ہو سکتا تھا۔ مصالح ملکی اور مآل اندیشی نے دل فولاد کے بنا دیے تھے جو تجویز تھی پتھر کی لکیر تھی کہ دنیا اِدھر سے اُدھر ہو جائے وہ نہ مٹے۔ نوبت بانیجا رسید کہ انگریزی فوجیں اودھ کی طرف بڑھیں۔ مناقشات و مشاجرات کا دروازہ کھلا ہی چاہتا تھا کہ نواب کی

آنکھ کھل گئی ۔ مآل کار پر نظر گئی ۔ سوچے کہ بگاڑ سے کام نہ نکلے گا اور شامت آ جائیگی ۔ اُلٹی آنتیں گلے پڑینگی ۔ آخر کار فوج جسمیں سراسر آخور کی بھرتی تھی بہت کچھ تخفیف میں آئی اور چون[۵۴] لاکھ سالانہ کے صرف سے انگریزی بارہ پلٹنیں اودھ میں متعین ہوگئیں ۔ اب کمپنی کے مطالبجات کی میزان ایک کرور پینتیس[۳۵] لاکھ سالانہ پر پہونچگئی ۔ لیکن فوج کی تخفیف سے صرف ایک لاکھ پینسٹھ[۶۵] ہزار کی بچت نکلی ۔ جب نواب نے اسپر شکوہ و شکایت کا دفتر کھولا ۔ اپنی معذوری مجبوری ظاہر کی تو لارڈ ولزلی صاحب نے یہ بحث پیش کردی کہ اگر بطور خود ادائی مطالبجات سرکاری کا انصرام نہیں ہوسکتا تو نصف حصۂ ملک بطور ضمانت تفویض سرکار کمپنی کردیا جاے ۔ اور اسمیں اسقدر انہماک ظاہر کیا کہ عہدنامے کا مسودہ اپنے بھائی ہنری ولزلی کو دیکے لکھنؤ بھیجا کہ جائیں اور تکمیل کرلائیں ۔ چنانچہ تھوڑی گفت و شنید کے بعد ۱۰ ر نومبر ۱۸۰۱ء کے عہدنامے پر دستخط ہوگئے ۔ جسکی رو سے اضلاع روہیلکھنڈ ۔ فرخ آباد ۔ مین پوری ۔ اٹاوہ ۔ کانپور فتحگڈھ ۔ الہ آباد ۔ اعظم گڈھ ۔ بستی اور گورکھپور کمپنی کے تفویض ہوگئے ۔ اس زمانے مین اس حصۂ ملک کی آمدنی ایک کرور پینتیس[۳۵] لاکھ تھی ۔ لیکن سنہ ۱۸۴۶ء مین اسٹامپ اور آبکاری ملاکے دو کرور گیارہ لاکھ ہوگئی تھی ۔ اور اب تو تین کرور سے زائد ہے ۔ اس کارروائی کا ایک اثر یہ ہوا اودھ تین طرف سے انگریزی مقبوضجات کے حلقے میں محفوظ ہوگیا ۔ اور چوتھی سمت کو نیپال کا کوہستانی سلسلہ سد سکندری تھا ۔ اسی معاہدہ مین یہ طے ہوگیا کہ انگریزی فوج ہمیشہ کے واسطے اودھ سے اُٹھ جائیگی اور اسکی بابت نواب کو کچھ دینا نہ پڑے گا ۔ البتہ نواب کو اجازت ہے کہ اندرونی انتظام کے واسطے چار پلٹنیں پیدل فوج کی ایک رجمنٹ نجیبوں کی دو ہزار تین سو توپچی گولہ انداز اپنے ہاں رکھیں ۔

نواب سعادت علیخاں کو اتنے بڑے حصۂ ملک کے نکل جانے سے رنج تو کیوں نہیں ہوا ۔

لیکن آنکھ پھوٹی پیر گئی سمجھکے دلکو تسکین دے لی کہ بلا سے ملک گیا تو گیا آئے دن کی جھگڑ کیلئے
خفگیوں ۔ دانتا کلکل سے تو نجات ملگئی۔ روز روز کے تقاضے تو نہوں گے۔ اب جسقدر ملک ہاتھ
میں ہی اسی پر قناعت کرنا اسی کے بند و بست میں مصروف رہنا چاہیئے۔ چنانچہ اسکے بعد نہایت
بیدار مغزی اور معدلت پناہی سے کار و بار ملکی پر متوجہ ہوئے۔ شب و روز کا اکثر حصہ کاغذات
کے دیکھنے سننے ۔ اراکین سے مشورہ و استصواب کرنے اور حکم احکام جاری کرانے میں صرف
کرنے لگے ۔ پرچہ نویسوں کی رتی خوب چمکی ۔ اخبار نویسوں کی بن آئی ۔ لیکن کیا
مجال کوئی جھوٹی خبر تو لکھے۔ سعادت علیخاں کی فکر صائب اور تدبیر عاقلانہ کی روائتیں حکایتیں
بہت مشہور ہیں۔ چنانچہ ایک مورخ کا بیان ہی کہ جب آدھا ملک انگریزوں کے سپرد کر چکے تو رات
دن اسی فکر میں ڈوبے رہنے لگے کہ کسیطرح اسکی تلافی کرنا چاہیئے۔ تلوار کے دھنی نہ تھے کہ کچھ سر اٹھاتے
اور مردانگی کے جوہر دکھاتے میدان میں آتے۔ سوچتے سوچتے یہی بات نکالی کہ ایک وکیل لندن
بھیجا اور کورٹ آف ڈائرکٹرس کے سامنے تمام مقبوضجات کمپنی کی مستاجری کا معاملہ پیش کیا۔
وہاں درخواست پذیرا ہوئی لیکن یہ شرط پیش لگگئی کہ اٹھارہ کرور روپیہ پیشگی داخل ہو جائے
چنانچہ نہیں معلوم کس طرح جفا و کفا سے بسر کر کے سترہ کرور روپیہ نواب نے جمع کر لیا۔ ایک کرور
کی فکر باقی تھی: وہ بھی ہو جاتی لیکن ع قسمت کی کم نصیبی کو صبا دکیا کرے ۔ موت نے فرصت
نہ دی ۔ سارا منصوبہ خاک میں ملگیا ۔ ایک روایت یہ بھی تاریخوں میں لکھی ہی کہ گور آؤسلی صاحب
جو نواب کے بڑے دوست اور مصاحب خاص تھے رخصت لیکے ولایت گئے انکو نواب
کی بہبودی اور ترقی ملک و اقبال کا بہت بڑا خیال تھا ۔ انھوں نے ولایت جاکے یہ تجویز
ٹھہرائی کہ لارڈ ہیسٹنگ جو جارج چہارم شاہ انگلستان کے بڑے رفیق ہیں بسبب افلاس ڈوبے
نہ رہی تنگدست و پریشاں حال ہیں۔ اُن کے ساتھ اگر کچھ سلوک کیا جائے۔ تو ضرور کوئی راہ

نکل آئے ؛" انھوں نے نواب کو اُنکے حال پُر اختلال پر متوجہ کیا۔ چنانچہ نواب کی دولت اُنکا باپ کٹا۔ دلدر مٹا۔ وہ اس غائبانہ عنایت اور مدارات کے بہت مشکور اور احسانمند ہوے۔ اتفاق یہ کہ بعد چندے وہ ہندوستان کے گورنر جنرل ہوکے آئے۔ آتے ہی آتے اُنھوں نے نواب سکے یہ گوشگوار کرادیا کہ مین تو صرف آپکے معاملات کی درستی کے لیئے ہندوستان آیا ہوں۔ یہ خوشی سے جامے میں پھولے نہ سمائے۔ اکثر یہی بات زبان پر لائے۔ دوستوں دشمنوں میں چرچے ہونے لگے۔ آخر کسی بدخواہ نے موقع پاکے زہر دیدیا۔ شب بھر کرب و بیچینی رہی۔ دوسرے دن ۲۴ رجب روز دوشنبہ ۱۲۲۹ھ مطابق ۱۲ جولائی ۱۸۱۴ء کو روح نے قالب خاکی سے پرواز کیا۔ "آہ شد گنج سعادت در زمین" تاریخ وفات ہوئی اور جنت آرامگاہ لقب ملا۔

سعادت علیخان کو ملکی مصلحت سے اگرچہ بہت دنوں تک بیحد کفایت شعاری سے بسر کرنا پڑی۔ پھر بھی لکھنؤ کی زیب و زینت میں اُنھوں نے کوئی کمی نہیں کی۔ اُنکے نام کا گنج ابتک آباد ہی۔ انکی بنائی اور بنوائی ہوئی کوٹھیوں میں سے بھی بعض ابتک موجود ہیں تعمیرات کی مد میں انھوں نے بہت کچھ خود صرف کیا بہت کچھ شہزادوں کو دیکے اُن سے صرف کرایا۔ اُنکے وقت کی عمارتیں ایک سلسلے سے شہر کے شمالی حصہ میں دور تک چلی گئی تھیں۔ اگرچہ اب انمیں بہت کم اچھی حالت میں رہگئی ہیں۔ پھر بھی اُنکی یاد تازہ کرنے کے واسطے کافی ہیں۔ دلکشا۔ حیات بخش۔ دارالشفا۔ کنکڑ والی کوٹھی نور بخش۔ بادشاہ منزل۔ چینی بازار۔ ٹیڑھی کوٹھی۔ موتی محل۔ دلارام۔ خورشید منزل۔ فرح بخش۔ قصر السلطان اور بیلی گارد کی اینٹوں سے اب بھی سعادتعلیخاں کا نام و نشان چلا جاتا ہی۔ محمد باغ کو زمین وسیع سے گھیر کے رمنہ انھیں نے بنوایا تھا

حضرت عباس کی درگاہ کی تعمیر اور تزئین میں لاکھوں روپیہ انھیں نے صرف کیا تھا۔ تال کٹورے کی کربلا بھی انھیں کے عہد میں بنی اور شہر میں اربعین تک عزاداری کی رسم بھی اُنھیں کے زمانے کی نکالی ہوئی ہو

(۷) شاہ زمن غازی الدین حیدر

یہ نواب سعادت علیخاں کے بڑے بیٹے تھے۔ باپ کی عہد حکومت میں کچھ نظرتی نقص دماغی سے وارفتہ کچھ کثرت منشیات سے مست الست رہتے تھے۔ مدت تک باپ انسے اور یہ باپ سے آشفتہ و آزردہ رہے۔ دربار کا آنا جانا چھوڑدیا۔ ایک گوشہ عافیت میں خاموشی اور اطمینان سے بسر کرنے لگے۔ جب باپ کے "جنت آرامگاہ" ہونیکی خبر سنی فوراً در دولت پر پہونچے وہاں شمس الدولہ دوسرے بھائی دعویدار ریاست کا نقشہ جما نظر آیا لیکن اُنکے پہونچتے ہی ہوا کا رخ بدل گیا بیلی صاحب رزیڈنٹ نے انھیں کو مسند نشیں کر کے پہلے شمس الدولہ سے نذر دلوائی۔ شلک چلی۔ سلامی اُترنے لگی۔ شہر میں منادی ہو گئی۔ سارے قضیے طے ہو گئے۔ بہتیروں کی امیدوں تمناؤں پر پانی پھر گیا لیکن اب لوگوں نے نیابت کے واسطے خاک اُڑانا شروع کی۔ ہر شخص اپنی اپنی فکر میں پڑ گیا کسیکو خبر نہ تھی یہ ہمائے اوج سعادت" کسکے" دام" میں گرفتار کسکے سر پہ سایہ فگن ہوگا۔ لیکن یہ معاملات تقدیری ہیں۔ یہیں کشش و کوشش بے سود ہوتی ہی۔ اگرچہ بہتیرے قدیم الخدمت جاں نثار موجود تھے اور سب اپنے اپنے حقوق و خدمات پیش کر رہے تھے لیکن نواب کی نظر ایک ہی جمی۔ آغا میر سے دل ملا ہوا تھا۔ انھیں پہ نگاہ پڑی قلمدان نیابت اور اسی کے ساتھ معتمد الدولہ مختار الملک سید محمد خاں ضیغم جنگ خطاب ہوا

دو گھڑی میں یہ عروج پایا کہ خاک سے پاک ہو گئے ہر طرف ہوٹلی بولنے لگا غازی الدین حیدر کے عہد حکومت میں پھر نئی بساط بچھی۔ آصف الدولہ کے عہد کا نقشہ جم گیا۔ انکو باپ کے وقت کا بھرا پڑا خزانہ لٹانے کو ملگیا تھا۔ خوب کھل کھیلے۔ ایک تو خود ہمت عالی رکھتے تھے۔ اسپر نائب الریاست ملے وہ بھی اول درجے کے سیر چشم۔ دونوں نے مل کے بیجید ریاشی کی لاکھوں کے گھر بنگئے۔ مالا مال ہو گئے سعادت علیخاں کی رکھی کمائی کا روپیہ ارباب نشاط پر وقف ہو گیا۔ دولت و ثروت کی اس فراوانی اور ایثار سے لکھنؤ میں گلی کوچے مینا بازار لگ گیا حسینان عالم جمع ہونے لگے حسن پرست بفکروں کے دم قدم سے ہر طرف تازہ چہل پہل شروع ہو گئی۔ غازی الدین حیدر کو زمانہ بھی اچھا ملا تھا حکومت پائی تو ہر طرح کے خرخشے سے پاک صاف پائی۔ ملک گیری کی بلند حوصلگی تو عرصہ ہوا ختم ہو چکی تھی سعادت علیخاں کے عہد میں جو افکار جدید وحب اقتدار یا اضافہ قوت کے شروع ہوے تھے اب وہ بھی باقی نہ رہے۔ ادھر لارڈ ہیسٹنگ کی گورنر جنرلی کا زمانہ آگیا تھا۔ وہ ہر طرح سے اعانت و ہمدردی پر آمادہ تھے۔ سب سامان فارغ البالی کے جمع ہو گئے۔ ان سب پر مستزاد یہ کہ سعادت علیخاں کے جمع کیے ہوے سترہ اٹھارہ کرور روپیہ نے نہیں معلوم کتنی بوتلوں کا نشہ پلا دیا کہ نواب وزنائب بلکہ سارا دربار متوالے کودوں کھا گیا۔ اور متوالا ہو گیا عیش و نشاط کی لے بڑھی۔ خود فراموشی اور مستی کا راج ہو گیا۔ اب نہ کوئی سرکش اور نادہند تعلقداروں زمینداروں کی خبر لینے والا رہا۔ نہ امانی بندوبست کا نگرانی کرنے والا۔ ناظم اور چکلے دار پھر لوٹ مار کرنے لگے۔ پرچہ نویس اور اخبار نگار دھمکا دھمکا کے جیب و دامن بھرنے لگے بیگمات شاہی اور ان کے ادنیٰ ادنیٰ متوسل کو وہ عروج نصیب ہوا کہ جہاں نظاران سلطنت منہ دیکھتے رہ رہ گئے۔

جسنے کسی محل سے کچھ سلسلہ ملایا۔ بازارِ حسن میں دلالی کی اُسی کا مرتبہ بلند ہو گیا۔ ان باتوں سے دلسوزی اور دیانت سے کام کرنے والوں کی ہمتیں پست ہو گئیں۔ ساری ترقی کا دارومدار جوڑ توڑ اور سازش پر آ رہا۔ نہ صلۂ خدمت پر کسیکو نظر تھی۔ نہ قدرشناسیِ اہلِ کمال کا کسی کو خیال۔ ایک عجب عالم بیفکری و شادمانی تھا کہ ہر شخص اُسکے مزے لے رہا تھا۔ بنتے بگڑتے کسی کو دیر ہی نہ لگتی تھی۔ امید و آرزو کا سبز باغ ہر وقت ہر شخص کو شاداں و فرحاں رکھتا تھا۔ جو آج گردشِ زمانہ سے بگڑ گیا ہو اُسے بھی امید لگی ہوئی ہو کہ دو گھڑی میں پھر وہی کارخانے ہو جائینگے۔ القصہ حاکم و محکوم سب ایک ہی رنگ میں شرابور۔ تمول اور فارغ البالی کی شراب سے مدہوش تھے۔ خیریت اتنی تھی کہ اس ابتری اور بے خبری کے حال میں بھی کچھ سنجیدہ اور فہمیدہ اشخاص دربار میں پہونچے ہوئے تھے۔ اور وہ بہت کچھ پولٹیکل معاملات کو سنبھالے اور ریس یوت سے ظاہر درست کیے رہتے تھے۔ درحقیقت انھیں لوگوں کی بدولت بقا و قیام ریاست تھا۔ ورنہ رئیس کی غفلت اور اہلکاروں کی بدکرداریوں سے جو ہوتا تعجب تھا۔

انہیں سے مفتی خلیل الدین خاں ذکاکوروی اور سبحان علیخاں تاج الدین حسین خاں (جن میں سے ہر ایک اپنے زمانے کا افلاطون و جالینوس تھا) زیادہ ممیز و ممتاز تھے۔ انھیں کو معتمد الدولہ کے مزاج میں درخور بھی بہت تھا اور وہ اُنکی عقلمندی و فراست پر اعتماد کلی بھی رکھتے تھے۔ چنانچہ بہت کچھ دار و مدار اہم معاملات ملکی کا بھی انھیں لوگوں پر تھا۔ انہیں سے مفتی خلیل الدین خاں صاحب کو سرکارِ انگلشیہ میں بھی بہت رسوخ حاصل تھا۔ اکثر ممبران کونسل اُنکے باپ قاضی القضاۃ نجم الدین علیخاں کے دوست بلکہ احسانمند تھے۔ انھوں نے معتمد الدولہ کو یہ سوجھائی کہ جو خانِ علامہ کے بعد سے شکست ہو گیا ہو ازسرِنو قائم ہونا چاہیے۔ چنانچہ معتمد الدولہ نے انھیں کو یہ کوشش سپرد کی۔ جب اُنکے مساعی مشکور ہوئیں تو معتمد

سرکارین ہونیکی وجہ سے وہی کلکتہ میں سفیر شاہ اودھ مقرر ہوے۔ یہ از غیبی سامان ایسے جمع ہو گئے جلسے انگریزی گورنمنٹ سے رابطۂ اتحاد و دواد اور بھی مضبوط ہو گیا۔ اتفاق یہ کہ اسی زمانے میں لارڈ ہیسٹنگ دہلی گئے وہاں محمد اکبر شاہ کی بعض بے عنوانیوں سے کچھ ایسا رنج پہونچا کہ آزردہ ہو کے پلٹے تو یہ دل میں طے کر کے پلٹے کہ اب کوئی جوڑ بھڑ لگا نا اور شاہ عالم پناہ کو جلانا چاہیئے۔ چنانچہ مستقل ارادہ کر لیا کہ کمپنی کو اب اس ملک میں تاج بخش بننا چاہیئے۔ اب انتخاب ہونے لگا کہ کون اس منصب کے شایاں ہو۔ سب سے پہلے اودھ پر نظر پڑی۔ لیکن یہ مسئلہ نازک تھا۔ طرح طرح کی دقتیں۔ مشکلیں ایسی حائل تھیں کہ بے محابا یہ سخن نہ زبان پر آسکتا تھا نہ تحریر میں لاسکتے تھے۔ مفتی خلیل الدین صاحب کو اسکی سن گن ملگئی۔ انکو تو اپنے آقا کی عزت افزائی و سربلندی کے ایسے موقعے ہاتھ لگنے کی تلاش ہی تھی فوراً معتمد الدولہ کو خبر کی۔ چنانچہ یہاں سے گورنر جنرل پاس تحریر پہونچی ستصواباً پوچھا گیا کہ اگر ہم بطور خود بادشاہی کا خطاب لیں تاج و تخت کے مالک بنیں۔ اپنا سکہ جاری کریں تو کمپنی کسیطرح خلل انداز تو نہو گی۔ گورنر جنرل نے کورٹ آف ڈائرکٹرس سے پوچھا۔ وہاں سے جواب ملا کہ اُنھیں اختیار ہے جو چاہیں کریں۔ کسیکو رخنہ انداز ہونیکی کوئی وجہ نہیں۔ چنانچہ ۱۸۔ ذی الحجہ ۱۲۳۵ھ روز شنبہ مطابق ۱۸۱۹ء کو نواب غازی الدین حیدر تخت نشین ہوے۔ ابو المظفر معز الدین شاہ زمن غازی الدین حیدر بادشاہ غازی خطاب ٹھہرا ایک کروڑ روپیہ میں تخت و تاج۔ سامان شاہی و اسباب جلوس مرتب ہو گیا۔ جشن ہونے لگے۔ شادیانے بجنے لگے۔ معتمد الدولہ کو بھی وزیر اعظم کا خطاب ہو گیا۔ شیخ امام بخش ناسخ نے تاریخ کہی "شاہ اسکندر و وزیر ارسطا طالیس"۔ اگرچہ واقف کار جانتے ہیں کہ کس حد تک شاہ اسکندر گیتی ستاں تھے اور وزیر ارسطوے دوراں۔ لیکن شاعرانہ نظر سے یہ بھی۔

نہ ضرورت بود روا باشد"۔ البتہ دونوں کی فیاضی۔ دسیر چشمی۔ جود وسخا کی جسقدر تعریف کیجائے بجا ہی بادشاہ تو خیر بادشاہ ہی تھے معتمدالدولہ کی ہمت عالی اور رفقا پروری سے جو دریا کرم جوش میں آیا تھا اُس سے ہزاروں تشنہ کام سیراب ہوگئے۔ ایک میر بندہ علی صاحب نے مسخرگی میں گیارہ برس رفاقت کی چودہ لاکھ کمایا اُڑایا۔ محمد خاں خدمتگار نے نو مہینے کی خدمت کے صلے میں چالیس ہزار روپیہ یکمشت پایا۔ اسی طرح لاکھوں روپیہ رفیق رفقا کو ضرورت کے وقت دیا۔ ہزار ہزار روپیہ کے شال دوشالے معمولی خدمتگاروں کو بخشے بیٹے کی شادی اس دھوم دھام۔ تزک و احتشام سے کی کہ لاکھوں روپیہ صرف کر ڈالا۔ ادنیٰ یہ ہی کہ اس شادی میں مداریہ حصہ (جو ایک پیسے کو ملتا ہی) پندرہ ہزار روپیہ کا صرف ہوا۔ روشن الدولہ سمدھی نے شربت پلائی کے وقت نواب کی ہمت عالی کو آزمانا چاہا۔ اُنھوں نے فرمایا کہ "ہمنے سولہ لاکھ روپیہ جو تمھاری نظامت میں باقی ہیں اس شربت پلائی میں دیے"۔ طرہ یہ کہ جب بادشاہ کو یہ خبر گزری انھوں نے وزیر سے پوچھا۔ عرض کی حضور روشن الدولہ نے اسی پر قناعت کی۔ اگر کچھ تامل کرتے میں زر تحصیل دوسرے سال کا بھی دیدیتا۔

شاہ و وزیر کی اس سیر چشمی سے انگریزوں کے بھی بہت کام نکلے۔ چنانچہ جب برہما کی لڑائی چھڑی۔ کمپنی کو روپیہ کی ضرورت ہوئی۔ مفتی خلیل الدین خاں نے بادشاہ سے تحریک کی اور ایک کرور روپیہ بطور قرض موبّد کمپنی کو دلایا۔ جسکا منافع پانچ لاکھ سالانہ ٹھہرا اور یہ طے ہوگیا کہ ہمیشہ ان اشخاص کو ملا کریگا جنکے نام دستاویز وثیقہ میں لکھے گئے ہیں۔ اسی طرح جب نیپال سے لڑائی چھڑی تب بھی بادشاہ نے ایک کرور روپیہ قرض دیا لیکن اُسکے معاوضے میں کھیری گڑھ اور ترائی کا ملک کمپنی نے بادشاہ کے سپرد کر دیا۔

مفتی خلیل الدین خاں کے شہبازِ فکر کی بلند پروازی نے گورنر جنرل اور ممبرانِ کونسل ہی تک قناعت نہ کی۔ ولایت تک کی خبر لی۔ اُنھوں نے بادشاہ کو باخفا لکھا کہ "اگر آپ سے اور شاہ جم جاہ انگلستان سے راہ و رسم ارسال ہدایا و تحریر محبت نامہ ہو جائے۔ غالب ہے کہ بہت سی مطلب براری بے منت و بسہولت ہو سکے گی"۔ چنانچہ یہاں سے ایک مسہری طلائی بہت پر تکلف اور لکھنؤ کی مغرق گرگابی اور ایک تلوار ولایتی جسے نواب آصف الدولہ نے پچاس ہزار روپیہ کو خریدا تھا۔ اُسکا قبضہ مرصع کار۔ ڈاب کمر بہت بھاری اور بعض اسباب تحفہ اور پیٹی تلوار جسمیں ہزار کا جواہر نصب کیا تھا مع محبت نامۂ شاہی باخفا کلکتہ بھیجا۔ وہاں سے باخفا معرفت تاجران نامی کلکتہ روانہ ولایت ہوا۔ بسلامت بادشاہ تک گزرا۔ اُسے ہدیۂ بے تکلف و بے منت سمجھ کے قبول کیا اور جواب محبت نامہ بکمال تہذیب آداب و القاب و عبارات شوقیہ عنایت ہوا اور آخر مضمون یہ تھا کہ تم سب طرح سے اپنے ممالک محروسہ میں مالک و مختار رہو۔ اور ایک گھوڑا ولایتی خانہ زادان شاہی سے جسکی قیمت ولایت میں کئی ہزار تھی مع زین طلائی۔ دامنی مغرق۔ جوڑی تپنچہ قبور کار طلا۔ اور کئی بندوق ساز طلا اور کئی گھڑیاں مع زنجیر جواہر نگار مجموع مالیت ایک لاکھ روپے کی معرفت نواب گورنر جنرل بہادر بھیجا گیا"۔

لیکن افسوس یہ ہے کہ غازی الدین حیدر کی قسمت میں اس جواب باصواب آئینکی مسرت سے لطف اٹھانا نہیں لکھا تھا۔ جسوقت یہ ہدیہ ہندوستان میں پہونچا ہے۔ اُسوقت بادشاہ خلد مکاں ہو چکے تھے۔ وہ کارخانہ درہم برہم ہو گیا تھا۔ یہ سعی مشکور ہو کے پھر بھی نامشکور ہی رہی۔ وہ لوگ ہی باقی نہیں رہے تھے جو اسکی قدر شناسی کرتے۔

غازی الدین حیدر کا زمانہ ادھر میں ایک طرح سے سکون و اطمینان کا زمانہ تھا کہ

بیرونی خرخشوں اور چھیڑ چھاڑ سے پاک صاف رہی۔ انگریزوں سے کبھی ان بن نہیں ہوئی
بلکہ محبت کے پینگ انگلستان تک بڑھے۔ اسے چاہے نیکدل بادشاہ کی خوش اقبالی کہو چاہے
فیاض طبیعت وزیر کی سیرچشمی دریادلی کا بدلہ سمجھو اور چاہے عاقل وزیرک مشیروں صلاح
کاروں کی حسن تدبیر وفراست پر محمول رکھو۔ بہرصورت رعایا برایا کی خوشحالی وشادمانی کا دور
تھا۔ شہر کے باشندے چین سے گھروں میں پاؤں پھیلا کے سوتے تھے عیش ونشاط سرور
انبساط کے سوا کسی کو کچھ فکر نہ تھی۔ سونے چاندی۔ مونگے موتی۔ لعل و زمرد کی یہ ریل پیل
تھی کہ سبکی آنکھوں کے پردے پھٹ گئے تھے۔ دولت دنیا کی کچھ حقیقت کسی کی نظر و میں
نہ رہی تھی۔ بے محنت و بے مشقت چھپر پھاڑ کے دولت برس رہی تھی قدر کیا ہوتی۔

اس دور حکومت و بادشاہت میں شہر کی تزئین میں خود بادشاہ نے بہت کچھ صرف
کیا اور معتمد الدولہ نے تو آصف الدولہ کا نام روشن کردیا۔ پچاس لاکھ روپیہ لگا کے انھوں
نے ایک امامباڑہ بنوایا تھا۔ انھوں نے بھی پچاس لاکھ صرف کر کے کوٹھیوں محلسراؤں
کا ایک جنگل بنا کے کھڑا کردیا۔

غازی الدین حیدر کے وقت کے موتی محل اور شاہ نجف سعادت علیخاں اور انکی بیوی کا مقبرہ
ابتک اچھی حالت میں ہیں۔ باقی شاہ منزل مبارک منزل۔ قدم رسول کی عمارتوں کا تو
نام ونشاں بھی باقی نہیں۔

اسیطرح فرح بخش اور لال بارہ دری کے درمیان بادشاہ نے ایک نہر بھی نکالی تھی
اُسکے واسطے سولہ گھوڑے کی قوت کا ایک انجن منگایا تھا جسکے ذریعے سے دریا سے
پانی نہر میں آتا تھا۔ اب نہ نہر باقی ہے نہ نہر سے پیاس بجھانیوالے۔

غازی الدین حیدر بینتالیس چھیالیس برس کی عمر میں مسند نشیں ہوے تھے۔ تو

اچھے تھے۔ آرایش مکاں میں خاص سلیقہ رکھتے تھے اور اس باب میں ایجادیں کرتے تھے لیکن ہر پرہیز بہت تھے۔یہی بدپرہیزی رنگ لائی۔ اسہال میں مبتلا ہوے اور ایسے مبتلا ہوے کہ یہی روگ مرض الموت ہوگیا۔ آخر ۲۷ ربیع الاول ۱۲۴۳ھ مطابق ۱۸ اکتوبر ۱۸۲۷ء کو روح ریاض جنت کو سدھاری قالب خاکی کو چھوڑ گئی دوسرے دن امامباڑہ نجف اشرف میں دفن کیے گئے۔کسی نے تاریخ کہی۔ ؎

گشت تاریخ مصرعۂ استاد   اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

شاہ زماں نصیر الدین حیدر

انکا خطاب سلیماں جاہ تھا۔ غازی الدین حیدر کے بیٹے تھے۔ ۲۲ جمادی الاول ۱۲۱۸ھ مطابق ۱۸۰۳ء کو مسماۃ صبح دولت مخاطب بخطاب ممتاز محل کے بطن سے پیدا ہوے صغرسنی ہی میں ماں کے آغوش شفقت سے اجل نے محروم کردیا۔ بادشاہ بیگم صاحبہ نے اپنی اولاد بناکے پالا۔ اُنکے سایۂ عاطفت میں زمانہ شاہزادگی بعیش وکامرانی بسر کیا لیکن کچھ موجودہ سامان عیش وراحت کچھ آیندہ کی امیدوں نے سرشار کیا کہ کھل کھیلے۔ ایک تو خلقی تلون۔ تنگ مزاجی۔ ضد۔ زود رنجی۔ دوسرے شاہانہ تعلیم وتربیت۔ ہر بات پر الله آمین اُسپر جوانی کے جوش۔ شباب کی اُمنگیں۔ ہروقت کا سرور۔ عادتیں بگڑنے لگیں۔ بیہودہ مشاغل شروع ہوگئے۔ اُٹھان اچھا نہ اُٹھا۔ یہ رنگ دیکھکے بادشاہ بہت کڑھنے اور آزردہ رہنے لگے لیکن اسمیں شاہزادے کی خطا نہ تھی۔ اُنھوں نے آنکھ کھول کے جو دیکھا تو یہی دیکھا کہ سارا شہر رنگ رلیاں منا رہا ہے حاکم اور محکوم۔ راجہ اور پرجا سب عیش وعشرت میں پڑے ہوے ہیں انھیں بھی ابتدا ہی سے دید وادید کا لپکا پڑا۔ آنکھ اچھی صورت دیکھنے کی

آرزومند ہوئی تو کان سریلی صدا کے سننے کے مشتاق۔ دل چاند سے مکھڑے کی رونمائی کے لیے وقف ہوا تو جان کسیکے اوپر جانے کے واسطے ہر وقت ہتیلی پر رہنے لگی۔ باپ کو رتی رتی سلطنت میں دماغ سوزی کرتے ایک دن نہ دیکھا پھر انھیں از خود یہ دردِ سر خریدنے کا حوصلہ کیونکر ہوتا۔ پھر بھی باپ باپ ہی تھے بیٹے کے یہ اطوار کیسے پسند کرتے اسپر طرہ یہ ہوا کہ غمازوں نے موقع پاکے خوب نون مرچ لگایا۔ اور باپ کے دلمیں بیٹے کی طرف سے دیوار اٹھا دی۔ بیگمصاحبہ شاہزادے کی حمایتی تھیں وہ بھی معتوب ہوئیں۔ اسی کشاکش میں ایک بار صف آرائی کی نوبت پہونچی۔ انگریزی رزیڈنٹ نے بیچ بچاؤ کیا۔ آخر شاہزادے کو لے کے بیگمصاحبہ شہر کے باہر ایک باغ میں رہنے لگیں۔ اب میدان خالی پاکے حریفان غماز نے بڑے بڑے جوڑ مارے۔ شاہزادے کو تخت و تاج کیا معنے متاع زندگانی سے محروم کردینے کی کوشش کی۔ لیکن ؎

چراغے را کہ ایزد برفروزد کسے کو تف زند ریشش بسوزد

سبتے منہ کی کھائی۔ ایک کی مراد نہ برآئی۔ وہ شمع کاشانۂ اقبال عین شباب۔ اٹھتی جوانی میں جبکہ دیوالی کے چراغاں سے سارا شہر منور تھا۔ بزم افروز ایوان سلطنت ہوگیا یعنے بادشاہ کے خلد مکاں ہوتے ہی بیگمصاحبہ در دولت پر پہونچ گئیں۔ شہزادے کے سوا اور کوئی دعویدار سلطنت نہ تھا۔ لہذا انگریزی رزیڈنٹ نے فوراً تاج شاہی سر پر رکھ دیا نذریں گزرنے لگیں سلامی کی توپ چلی۔ شادی مبارکباد کی دھوم مچی۔ ابو النصر قطب الدین سلیمان جاہ سلطان عادل نوشیروان زماں حضرت شاہ زماں نصیر الدین حیدر بادشاہ غازی خطاب ہوگیا۔

نصیر الدین حیدر بادشاہ کے وقت کے کارنامے مورخانہ تحقیق و تنقید کے شایاں نہیں

ہاں ناول میں لکھے جائیں۔ تو ناظرین کی دلچسپی کا بہت اچھا سامان جمع ہو جائے۔ اس لیے ہم چند خاص واقعاتِ تاریخی قلمبند کر کے اپنے ناظرین کو اُس وقت کی ایک سرگزشت سناتے ہیں۔ یہ سرگزشت بادشاہ کے ایک یورپین مصاحب نے لکھی ہر جسنے کئی برس کے قیام لکھنؤ میں یہاں کے ظاہری و باطنی حالات سے اچھی واقفیت حاصل کی تھی۔ اسکی صداقت بیان کا اندازہ ناظرین کی رائے پر چھوڑ کے اتنا کہدینا ضروری معلوم ہوتا ہی کہ جزئی اختلافات یا ناموں کے تغیر کے سوا اور جہانتک تحقیق کی گئی اکثر واقعات کی تصدیق تاریخ اور روایت سے بخوبی ہوتی ہی۔

نصیر الدین حیدر بادشاہ کی تخت نشینی کا پہلا کار نمایاں یہی تھا کہ سامان عیش و راحت کے جمع کرنے پر مقربان بارگاہ مصروف و منہمک ہو گئے۔ ایک سو کئی طائفہ ارباب نشاط کے (جو سر آمد چکلہ تھے) ملازم ہو گئے۔ دولاری فیلبانی (جسکا خطاب ملکہ زمانیہ ہوا) کا موافق عہد و میثاق ولیعہدی دور دورہ ہوا۔ چھ لاکھ کی جاگیر مقرر ہوئی۔ پھر والٹر کی بیٹی مخاطب بخطاب مخدرہ علیا کی باری آئی۔ چھ لاکھ کی جاگیر اُنکی بھی ہو گئی۔ انکے بعد خورشید محل (جنکا خطاب بعد چندے تاج محل ہوگا) کا نمبر آیا چھ لاکھ کی جاگیر اُنکو بھی ملی۔ اسی کے ساتھ ہی بادشاہ بیگمصاحبہ کی جاگیر سلون نو لاکھ کی جسے معتمد الدولہ نے ضبط کر لیا تھا بحال ہو گئی۔ پھر جب بادشاہ نے انگریزوں کو باسٹھ لاکھ قرض دیا تو اُسکے سود سے ملکہ زمانیہ کا چودہ ہزار مخدرہ علیا اور تاج محل کا چھ چھ ہزار ماہوار وثیقہ ہوا۔ ان سب پر مستزاد قدسیہ بیگم کا دور دورہ ہوا جنکی جودوسخا لاکھوں کیا معنی کروروں پر بند نہ تھی۔ کچھ کم چار برس کے عرصے میں چار کرور روپیہ خرچ کیا۔ موت نے جلد خبر لی ورنہ سلطنت نیگ لگجاتی۔ ان جاگیرات و وثایق کے علاوہ ہر ایک صاحبات محل کے متوسلین۔ اعزا اقربا کے بیش قرار

مشاہرے مقرر ہوگئے۔ وہ لوگ جو نان شبینہ کو محتاج تھے جنھیں سفید کپڑے چمڑے کی جوتی میسر نہ تھی۔ فیل نشیں ہو ہو کے نکلنے لگے۔ اللہ اللہ۔

خانہ تھا گنجفہ کا ہر اک قصر شہر عشق گھر گھر تھیں بادشاہیاں گھر گھر وزارتیں

ان دونوں کی وجہ سے شہر میں ایک طوفان بے تمیزی برپا ہوگیا۔ اظہار دولت و ثروت نمود جاہ و حشمت سے ہر کوچہ و برزن میں ایک بہار آگئی۔ امرائے دولت و اعیان سلطنت کے جلوسواری کے کروفر سے ہر طرف رونق تازہ پیدا ہوگئی۔ کہیں راہ گلی میں نوبت و نقارہ کی صدائیں۔ ماہی مراتب کی شوکت و شان سے چشم و گوش لذت اٹھاتے۔ کہیں یاران بے تکلف کی صحبت میں نا و نوش کی آوازوں اور پری پیکروں کی جلوہ نمائی سے دل و دماغ پر عالم سرور و سرخوشی طاری ہوتا۔ القصہ بیفکری اور بے اندازہ دولتمندی سے۔ جو سامان جمع ہو سکتے ہیں سب جمع ہوگئے تھے۔ ہر شخص بحال خود شاداں و فرحاں تھا۔ اسکی کسے پروا تھی کہ ملک میں کیا ہو رہا ہے اور خلقت پر کیا گزر رہی ہے۔ خود بادشاہ سلامت کو تخت پر بیٹھتے ہی بیٹھتے جو خیال ہوا بھی تو اسی قدر کہ کسیطرح معتمد الدولہ کو معزول بلکہ ذلیل و خوار کر کے کینۂ دیرینہ کا انتقام لینا اور دل کے پھپھولے پھوڑنا چاہیئے۔ چنانچہ جب دسمبر ۱۸۲۷ء میں لارڈ کومبر میر کمانڈر انچیف افواج انگلشیہ تشریف فرمائے لکھنؤ ہوے تو اُنکا واسطہ دیکے صاحب رزیڈنٹ کو آمادہ کرایا۔ بالآخر رزیڈنٹ صاحب کے ہاتھوں یہ مہم سرانجام ہوگئی۔ یعنی نواب زیر حراست ہوگئے۔ بادشاہ سلامت اب خود مہمات سلطنت پر متوجہ ہوے۔ چند روز میں یہ لہر جاتی رہی۔ بعد چندے جب اعتماد الدولہ میر فضل علیخاں کو منصب وزارت پر سرفراز کر دیا پھر وہی ہیچو دی وہی رندی سیہ مستی شروع ہوگئی۔ اعتماد الدولہ نے چند روزہ وزارت میں ایک کروڑ روپیہ کمایا لیکن دربار کا رنگ بدلا دیکھ کے بسبب خودداری کنارہ کشی اختیار

کی۔ زیادہ تر وجہ یہ ہوئی کہ اسی زمانے میں بادشاہ کی صحبت میں کچھ یورپین لوگ زیادہ دخیل ہو گئے تھے۔ یہ پانچ آدمی تھے جنکے نام مسٹر ہلٹن نے یہ لکھے ہیں۔ ڈی رسٹ حجام مسٹر رائٹ معلم۔ مسٹر ہانر طبصور و مُطرب۔ مسٹر کرو پلی مہتمم کتب خانہ۔ اور کپتان مگنیس۔ انمیں سے ڈی رسٹ بہت زیادہ منھ لگا تھا۔ ایک روز بحالت مخموری بادشاہ کے سامنے اپنی بیخودی سے حرکات مسخر گی کر رہا تھا۔ اعتماد الدولہ بھی موجود تھے۔ بادشاہ نے اُنسے کہا کہ تم اس سے ہنسو۔ انھوں نے کچھ چھیڑا۔ اُسنے جواب سخت دیا۔ بلکہ پگڑی پر دست درازی کی۔ اسپر انھوں نے بادشاہ سے شکوہ کیا اور بہت آشفتگی ظاہر کی۔ بادشاہ ٹال گئے۔ انھیں ناگوار ہوا۔ کلمات ناملائم کہکے چلے آئے۔ پھر دربار نہ گئے۔ بہت بلائے گئے لیکن انھوں نے قدم گھر سے نہ نکالا۔ آخر خود بادشاہ سلامت تشریف لیگئے۔ دروازے پر کھڑے رہے۔ جب وہ گھر سے نکلے تو اپنے ہمراہ خواصی میں بٹھا کے لائے۔ خلعت کو حکم ہوا۔ لیکن انھوں نے بمنت سماجت اپنی گلو خلاصی کرائی۔ وزارت چھوڑ کے خانہ نشینی اختیار کی بعد چندے مر گئے۔ اب نواب منتظم الدولہ حکیم مہدی کا ستارۂ اقبال طلوع ہوا۔ یہ از حد منتظم، جز رس، کفایت شعار، فریس و ہوشیار تھے لیکن افسوس ہے کہ انھیں زمانہ اچھا نہ ملا۔ انھوں نے انتظامات تو بہت کرنا چاہے۔ لیکن ایک نہ چلا۔ تخفیف اور سخت گیری نے اتنی نفرت۔ بد دلی اور برہمی عوام کے قلوب میں پیدا کر دی کہ جس سے ایک دن بھی انتظام کی چول نہ بیٹھی۔ البتہ انھوں نے لکھنؤ میں چند کام انگریزوں کے خوش کرنے یا دنیا کو اپنی روشن خیالی دکھانیکے لیئے کئے اور وہ ہو بھی گئے۔ یعنے اول تو ایک دار الشفا انگریزی اور یونانی علاج کی قائم کی اور اُسکے واسطے چھ لاکھ روپیہ گورنمنٹ کے خزانے میں تفویض کر دیا۔ جسکے منافع سے یہ دونوں اب تک چل رہے ہیں۔ دوسرے لیتھوگراف کا

ایک چھاپہ خانہ اشاعت کتب کے واسطے قایم کیا تیسرے لوہے کے پل کی طیاری شروع کردی۔ چوتھے گنگا سے نہر منگانے پر بہت کچھ روپیہ صرف کیا۔ پانچویں ایک محتاج خانہ قایم کیا۔ اُسکے اخراجات کیواسطے بھی کچھ روپیہ کے نوٹ خریدے گئے۔ ایک رصد خانہ سلطانی بنوایا نواب منتظم الدولہ ہی کے عہد وزارت میں نواب معتمد الدولہ کے خارج البلد کرنیکا مسئلہ گورنمنٹ سے یوں طے پا گیا کہ نواب معہ اہل وعیال ومال واسباب رزیڈنٹ کی حفاظت میں شہر سے باہر کسی مقام پر عملداری سرکار میں جا کے رہیں۔ انکی دعاوی کا بھی فیصلہ ہو گیا۔ یعنے بائیس لاکھ روپیہ جو بابت ضمانت تنخواہ وغیرہ خزانہ رزیڈنٹی میں جمع تھا اور مجموع املاک جسکی تعمیر میں ایک کرور سے زیادہ صرف ہوا تھا دس لاکھ کی محسوب کرکے مجموع بتیس ۳۲ لاکھ روپیہ دیدیا گیا اور اکتوبر ۱۸۳۰ء میں وہ روانہ کانپور ہو گئے۔ قیصر التواریخ کے مصنف نے تو نواب کی نقد وجنس کا تخمینہ صرف دو کرور روپیہ کیا ہی لیکن بلٹن صاحب اپنی کتاب میں لکھتے ہیں کہ نواب کا اسباب آٹھ سو چھکڑوں اور بے شمار اونٹوں ہاتھیوں پر بار ہو کے کانپور گیا۔ جسکی قیمت تخمینی پچیس کرور روپیہ تھی۔ اصل حال خدا جانے۔ اتنا ضرور ہے کہ معتمد الدولہ کے وقت میں سلطنت کی ساری آمدنی انھیں کے ہاتھ میں رہتی تھی۔ بادشاہ کو لٹانے کے واسطے سعادت علیخاں کی جمع کی ہوئی دولت کیا کم تھی کہ وہ حساب لیتے۔

نواب منتظم الدولہ کی غیر ہر دلعزیزی عوام کے احاطے سے نکل کے خواص تک پہونچی۔ حتےٰ کہ صاحب رزیڈنٹ سے بھی بے لطفی ہو گئی۔ اُدھر محلات شاہی بھی اُن کے غرور وتمکنت سے زچ رہنے لگیں۔ اور وہ بھی بلند پروازی دکھانے لگے یعنے ولیعہد تو ولیعہد خود بادشاہ سلامت پر آڑے آنے لگے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ پہلے معتوب

[illegible]انی ہوئی پھر موقوف کردیے گئے لیکن انھوں نے بھی مدت قلیل میں دولت [illegible] جمع کرلی تھی۔ اُن کی آمدنی کا حال اس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ اردن صاحب کہتے ہیں کہ اُن کو وزارت کی تنخواہ تین لاکھ سالانہ ملتی تھی اور اسکے علاوہ [illegible]ہ کی یہ صورت تھی کہ تمام اعلیٰ عہدہ داران سلطنت کی تنخواہوں سے ایک ربع وضع ہو کے اُنھیں ملتا تھا جسکی میزان تخمیناً سترہ لاکھ سالانہ ہوتی تھی یعنے کل بیس لاکھ آمدنی تھی۔ اور پھر اسکے علاوہ جو متفرق رقوم ملتے تھے اور وقتاً فوقتاً جو عطایاے شاہی ہوتے تھے اُنکا کوئی حساب نہ تھا۔

نواب منتظم الدولہ کے بعد نواب روشن الدولہ وزارت پر سرفراز ہوئے۔ یہ معتمد الدولہ کی رفاقت کے جرم میں بیشتر معتوب تھے۔ اور اب انکی معزولی کے سبب انکی بسر اوقات بھی مشکل ہوتی تھی لیکن منتظم الدولہ کے بعد انھیں کا ستارہ چمک گیا اور اس منصب جلیلہ پر سرفراز ہو گئے کہتے ہیں جب یہ صاحب رزیڈنٹ کی نذر کو گئے تو انھوں نے کمال درد دل سے فرمایا کہ "ہمیں تعجب ہے کہ تم نے وزرائے ماضیہ کا حال بخوبی دیکھا ہے۔ پھر بھی دیدہ و دانستہ اس عہدۂ مستعار کو اختیار کیا۔" نواب نے عرض کی کہ "مرتا کیا نہ کرتا۔ اب میرا حال خانہ نشینی میں حد سے گزر چکا تھا۔ سرکار سے کچھ مقرر تھا۔ نہ مال و متاع میرے پاس رہا تھا اور نہ کسی سے قرض مل سکتا تھا۔ بہرصورت سامنا موت کا تھا میں نے اس خیال سے اختیار کیا کہ اب نواب وزیر اعظم مشہور ہو کے مریئے تو بہتر ہے۔"

خاتمۃ الکتاب

معزز ناظرین۔ اودھ کے فرمانروا دُسنکے مجمل اور نصیر الدین حیدر کے مفصل حالات اور بادشاہی کی کیفیت آپ سن چکے اور اچھی بری رائے بھی قائم کر چکے بقیہ فرمانرواؤں کے حالات بھی انشاء اللہ دوسرے حصہ مین شایع کیے جاوینگے اب ذرا تصویر کا ایک اور رخ ملاحظہ کیجیے دیکھیے ایک محب وطن کس حسرت اشتیاق اور جوش سے اپنے بادشاہ کی تصویر الفاظ میں کھینچتا ہو۔ اُسکے جذبات حب الوطنی آنکھوں کو نہ دوسری طرف متوجہ ہونے نہ دل میں نکتہ چینی کی ہوا لگنے دیتے ہیں اُسے سب بھلا ہی بھلا معلوم ہوتا ہے۔

"ستائیسویں ربیع الاوّل یوم شنبہ ۱۲۴۳ھ اور بیسویں اکتوبر ۱۸۲۷ء تھے کہ زیب دہ اورنگ شاہی ہوا اور بعد پدر مرزا غازی الدین حیدر جلوس میمنت مانوس سریر سلطنت پر کیا اُس سن وسال میں بادشاہی ہاتھ آئی۔ فرمانروائی فرمائی کہ شاہانِ گذشتہ کو جسکی تمنا ہی میسر نہ آئی جوان بخت وجوان دولت جوان سال پچیس ۲۵ برس کا سن عین شباب۔ جوانی کی آب وتاب۔ مزے کے دن تھے کہ تخت وتاج ہاتھ آیا۔ زیست کی کیفیت۔ حکومت کا لطف خوب اُٹھایا۔ جلسہ وہ موجود رہا جو محمد شاہ کو نصیب نہوا۔ ہزارہا پری پیکر۔ حور وش سیمتن گلبدن نازک اندام باللباس پر تکلف وزنیہ بزمرۂ خدام دست بستہ حاضر ہیں۔ گلاب وکیوڑہ تو کیا عطر کی نہریں بہیں۔

مکان و باغ ہر اک بہشت کا نمونہ۔ گلشن شداد سے طیاری میں دو دنا۔ روپیہ
اشرفی کے گنج خالی کر دیے محتاجوں کے گھر بھر دیے۔ گلشن شباب بسکہ لہلہا رہا تھا
پھولوں کا یہ صرف رہا کہ ہزاروں باغ سرکاری عجیب روش و غریب طیاری کے تھے
اسپر کئی سو روپیہ روز کے بازار سے آتے تھے۔ صبحکو فراشنیوں کے ہاتھ چاندی کے
ڈھیر لگجاتے تھے۔ جلسے والیاں نادر زمانہ شہرۂ آفاق۔ گائنیں بہ ہی پیکر موسیقی میں
یکتا۔ دلبری میں طاق۔ انکے علاوہ ہزاروں مہ سیما۔ رشک مہر کمسن۔ اُنکی لاؤبالیاں
اُمنگ کے دن۔ کہاریاں۔ پری یونکی صورت ہمیشہ ہوا دار مثل سلیمان علیہ السلام ہوا پر رہا
ناز و انداز نے برسر زمیں پاؤں نہ لگنے دیا۔ اکثر سہ پہر کو چمن بندی معشوقان طناز و
گلعذار ہوتی۔ ناظرین کا دل باغ باغ ہو جاتا۔ مدام اُس تختہ گلفام پر لالہ داغ کھاتا۔ سنبل اُنکی
زلف مسلسل دیکھکے پریشان۔ مسی کی دھڑی کی دید میں رو دے سوسن کبود تھا۔ مدح کو سوزبان
سے موجود تھا۔ نرگس کی اُن آنکھوں پر ٹکٹکی رہتی تھی۔ دیدۂ آہوئے ختن سے خون کی
ندی بہتی تھی۔ زنخداں دیکھکے سیب کا دل ڈوب جاتا منھ میں پانی بھر آتا تھا۔ یہی کا ضرر
ہوتا۔ دھبا لگ جاتا تھا۔ سو طائفہ دیہاتی اور سو شہر کا چیدہ نوکر تھا۔ تین پہر بجے یہ سب
موجود ہوے۔ پچیس پچیس طائفوں نے ایک رنگ کے جوڑے عنایت سرکار باغ و
بہار پہنے۔ اور زیور بھی مناسب میں کا۔ معلوم ہوا کہ چمن رواں ہی۔ بلکہ پھولوں میں
یہ نزاکت و لطافت روش رفتار۔ تکلف گفتار۔ طرز و انداز۔ غمزہ و ناز کہاں
ہی۔ اور بھانمتی۔ جو نٹے والیاں۔ نٹنیاں وضع کی نرالیاں۔ قوال بین کار۔ رباب
سرود یے یہاں تک کہ ریچھ والے قلندر اور بکرا بند ربھی موجود رہتے۔ کمرے میں
سامان عیش تیار۔ انگریزی میز ایک سے ایک تختہ پر نقش و نگار۔ جہاں تک پیک نگاہ

جائے گلدستہ بندی پائے۔ گرد گنشرِ بادہ ارغوانی گلنار و زمرد فام پڑے قریب گزک کو
نواکہ۔ ہر قسم کے کباب۔ تشتریوں میں بادام پستے۔ بیٹے متصل اسکے نعمت غیر مترقب طرح
طرح کے پلاؤ۔ دو پیازے۔ متعدد رکابیاں بے حساب بورانی بھرتہ چٹنی۔ اچار۔ ہر گلدستے
تلے اتنا سامان کہ دوسری طرف ہاتھ بڑھانے کی نوبت نہ آئے جس شے کی خواہش
ہو کھائے کمرہ دولھن کی صورت کا سجا۔ جھاڑ کنول۔ فانوس ہوش ربا۔ پردوں میں
سیروں نبت۔ گوکھرو۔ بادلہ۔ لچکا ٹکا۔ فرش سے تا سقف و جدار آئینہ بندی عقول سکندر
اگر دیکھتا حیرت آتی۔ اپنی سلطنت بھول جاتی۔ جدھر نظر اٹھاؤ ایک کے ہزار پاؤ۔
ادھر خود بدولت رونق افزا ہوئے ادھر پریوں کا ناچ ہونے لگا۔ کمرے کے باہر
انگریزی باجے بجنے لگے۔ قوال بین کار ساز ملا اپنچنے لگے جو جو اندر باہر حاضر تھا اپنے
کام میں مشغول۔ حضور اکل و شرب میں متوجہ ہوئے کسی کی طرف نظر نہ اٹھاتے تھے جن کے
لطف آئینوں میں نظر آتے تھے۔ اب جسکا بخت مددگار اور طالع یار ہوا اس کو
قریب بلایا کچھ کھلایا پلایا اور جو اختلاط منظور ہوا تو اسکا دلدر دور ہوا۔ ایک دم میں
نہال کیا۔ دولت دنیا سے مالا مال کیا۔ ایک دن میں پانسو جوڑی جواہر نگار کڑے
کی نرم نرم ہاتھوں میں رنڈیوں کے پڑے نصف شب گذری صحبت موقوف یہ
قافلہ روانہ ہوا وہ جو جلسے والیاں اور محل کی گائنیں پری وش ذی ہوش مرصع
پوش تھیں انکا آنا ہوا۔ کوئی تلوے سہلانے لگی کوئی پنکھا ہلانے لگی کسی نے کہانی
شروع کی۔ کوئی ٹپہ گنگنانے لگی۔ کوئی شعر برجستہ پڑھنے لگی۔ کوئی پاؤں دبانے کے بہانے
سے دبے پاؤں پڑھنے لگی۔ اب اسمیں جسکا نصیب جاگا وہ اپنا حصہ لے بھاگا
دم سحر جب بیدار ہوئے سیر کو سوار ہوئے ہر روز نیا مکان تازہ سامان۔ غرضکہ

ہر شب شبِ برات جو دن تھا محرم کے سوا عید تھی ہر دم پری رخونکی دید تھی۔ قابل دید
یہ جلسہ تھا۔ خوشا نصیب اُنکے جسکی نظر سے گذرا ہمت کے روبرو حاتم بخیل تھا
گو ملک قلیل تھا چشمۂ فیض سدا جاری تھا۔ لینے والا عاری تھا جس جس کی قسمت
میں لینا تھا۔ الماس و زمرد کا گہنا تھا۔ قدسیہ محل پر طبیعت جو آئی۔ خاک سے پاک کیا
دو گھڑی میں آسمان پر بارگاہ پہونچائی۔ جاڑے کی فصل میں لاکھ روپیہ مہینے کی تین
رضائیاں بنتی تھیں۔ گرمیوں میں اُنکی ہوا معلوم نہ ہوتی تھی کہ کیا ہوئیں۔ ملکہ زمانیہ اور
مخدرہ علیا اور تاج محل ان سب کا خرچ رہا او تا زیست رہیگا۔ احتیاج قریب نہ آئے
گی کئی پشت اُنکی مزے اڑائیگی ڈلوی اور دھنیا کہاریاں تھیں۔ دس پانچ لاکھ روپیہ
اُنکی نگاہ میں نہ سمایا یاروں کو کھلایا۔ مکا خیاط کی قطع برید دنیا سے نرالی رہی ہر دم
عیش و طرب لاؤبالی رہی۔ کچھ صندوق کترنکے جمع تھے نائب سے زر خطیر اُسکی قیمت
لیکے حضرت نے مکا کو عنایت کیے وہ منہ دیکھتے رہے۔ لاکھوں روپے کی عمارت
اُسنے اپنی بستی میں بنائی اور بارہ ہزار اگنج باغ کی طیاری کی۔ جو پوشاک ایک بار زیب
جسم کی پھر نہ پہنی دے ڈالی گو لاکھوں کی ہوئی۔ خوش دماغی میں تانا شاہ پر طعنہ
زن ہوں تو بجا ہے کہ ممدوح میرا نازک دماغ ایسا ہے۔ ایک دن لخلخہ کی ہانڈی میں تیل
جم گیا وہ بھی موتیا کے عطر سے کم نہ تھا مگر طبیعت مکدر و دماغ پریشان ہوا۔ خوشبو ساز
طلب ہوئے پوچھا گیا کیا جلتا ہے۔ عرض کی موافق معمول انھوں نے باہم اثبات کیا
تو میل نکلا۔ بیلے کا تیل نکلا لخلخہ ساز اِس قوتِ شامہ صفائی دماغ پر خطا کے مقر ہوئے
ترحم یہ تھا کہ قصور معاف ہوئے۔ مورد الطاف ہوئے مغلانیاں ہزار پانسو درماہے
کی نوکر۔ گوٹے لچکے۔ بادلے اور زربفت کی کترن پاتی تھیں کہ سونے چاندی کی

اینٹیں گڑھواتی تھیں۔ خاصے والیوں نے مشک۔ عنبر۔ زعفران کے گارے سے
لونگ الائچی کے خاصے خاصے محل بنائے۔ ڈلیاں چکنی و ورخی جیپر دل پھسلے اُنکے
انبار لگائے۔ الائچی وہ کہ چھوٹی بڑی کی تمیز نہ آئے۔ شب کو جیسے ملجائے۔ ہر شے
کا صرف بے حساب رہا۔ کارندوں نے جو لکھدیا وہ لیا۔ گلوری گز بھر کی بنتی تھی۔
جہاں سے کاٹ کر کھائیے سب مصالحہ برابر پائیے۔ شہر کے تنبولی سیٹھ ہو گئے
صوبے اور مگہ میں پان نہ رہے۔ گلوری جو کھلاتی وہ سرخرو کیا کیا انعام پاتی تھی۔
ایک روز پانچ توڑے اشرفی کے اور کئی ہزار کی چادر جو اسوقت زیب دوش
تھی عنایت کی۔ اُسکی خاطر میں نہ آئی بلکہ روکھی صورت بنائی۔ گھر لٹنے پر مرے
اوڑاے ہوس نکالتی ہی۔ سونا اُچھالتی ہی۔ گھوڑے وہ کہ ادہم صبا نے ہمراہی میں با
ٹھوکر کھائی گرد نپائی۔ وہم و خیال ان کی رفتار میں تنگ گمان تصور میں لنگ۔ رخش رستم
شبدیز خسرو بھی گرد تھا۔ ہر ایک سریع السیر جہاں گرد تھا۔ ہاتھی ایسے کہ دکھن کی جان
پیل فلک سے زیادہ رفعت و شان۔ سبک رو جھول ایسے کہ جب چلنے پر آئیں حشرات
الارض آزار نہ پائیں۔ ہزار ہا جامہ وار گراں قیمت سہلا جھول اور گرد نی کے
واسطے قطع ہو گئے۔ کشمیر سرد ہو گئی اور ہودج و زین سونے چاندی کے اتنے بنے
کہ زمین سفید اور زرد ہو گئی جسطرف خیال آیا اُسے انتہاے کمال کو پہونچایا۔ اس
عیش پسندی پر عشرۂ محرم میں تا اربعین دن رات رونا۔ زمین پر سونا۔ لباس آبی
یا سیاہ۔ لب پر نالہ و آہ بھولے سے مُسکرانا۔ ہزاروں روپیے مرثیے خواں اور سادات
محتاج آب و نان کو دینا حسنات لینا۔ دوازدہ امام کی درگاہ۔ صاحب الامر علیہ السلام
کا غار بنوایا۔ لاکھوں روپیہ کا اسباب وہاں چڑھایا۔ بیٹھے بیٹھے طبیعت جو لہرائی

گنگا سے نہر منگائی۔ چشمۂ فیض جاری ہوا۔ یادگار رہا۔ مزدور غریب نہال کار فرما صاحب مال و منال ہوئے۔ گرمی کی فصل میں گلدستوں کا چمن بنتا تھا۔ پھولوں کا شامیانہ تنتا تھا اُسکے تلے مسہری گلہائے خوشبو کی بچھتی تھی۔ گرد چار حوض رکھے جاتے تھے۔ دو مرصع کار دو چینی کے پُر نقش و نگار۔ عطر سے لبریز۔ بوے فتنہ خیز۔ فوارے کی جا درخت بنتے تھے۔ پھول اور کلی سے فوارہ چھٹتا تھا۔ اور چینی کے حوضوں میں درختوں پر جانور تھے اُنکی کریاں سے عطر اُچھلتا تھا ہر شام یہ سامان طیار ہوتا اور جس جگہ منظور ہوتا وہ باغ درست ہوتا۔

آخر چرخ ستمگار نے اِس صحبت کا رشک کھایا۔ ایسی بہار پر خزاں لایا۔ لکھنؤ تباہ روز روشن سیاہ ہوا۔ صداے "انا للہ وانا الیہ راجعون" آئی۔ سلطنت خاک میں ملائی۔ طبیعت اُس صاحب افسر و تاج کی ناساز ہوئی۔ لاش گور و کفن کی محتاج رہی۔ روح اُس جان جہاں کی بہشت بریں کو بلند پرواز ہوئی ؎

سلیماں کشتۂ زہر دغا شد　　　غروبِ مہ بہ برج کربلا شد

وہ صدر نشین چار بالش عیش و طرب متوجہ دامنِ خاک ہوا۔ گریبان صبر چاک ہوا تیسری تاریخ ربیع الثانی سنہ ۱۲۵۳ ہجری اور ساتویں جولائی سنہ ۱۸۳۷ع روز جمعہ تھا کہ یہ حادثۂ غم انجام ظہور میں آیا سبحان اللہ دس برس سے زیادہ سلطنت کی۔ تمام شب گور میسر نہوئی۔

فاعتبروا یا اولی الابصار

تمت

گذارش

جسطرح کشمیری شال مین پیوند لگانا اور رفو کرنا جوہر سمجھا جاتا ہے اسی طرح لیتھوگراف کی چھپائی مین غلطنامہ لگانا ہی ایک جوہر ہے - اسی خیال سے اس کتاب مین قصداً کچھ غلطیان رکھی گئی ہین تاکہ اس جوہر سے یہ کتاب مبرا نہ رہے -

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
٩	١٩	بجاتا	جماتا	٣٧	٢	نانکاری	نانکاریں
١٣	١٤	درے	دریاے -	٣٧	١	کا	گا
١٦	١٠	سنہ ١١٦٦ع مین	سنہ ١١٦٦ھ	″	٩	کرلائش	کرلائیں
″	″	سنہ ١١٥٢ع	سنہ ١١٥٢ع کو	″	١٤	ہوا —	ہواکہ
١٨	١٦	ہوا	ہو	٣٨	٩	اٹھائے	اٹھاتے
١٩	١٢	دے رکھے	ہو رہے	٣٩	٨	موی	ہوی
٢٠	١٢	ابھی	بھی	٤٠	١٢	طرح	طے
٢٣	٥	دومفسانہ	دوستانہ	٤١	١	بابا	پایا
٢٧	٧	حسیدر	حیدر	″	٥	رباغمی	زرباغمی
″	١١	جمکا	جھکی	″	″	گا رہی	گاڑھی
″	١٢	ہوتا	ہوتی	٤٥	٠	اب	آپ
٢٥	١	سمبر	ستمبر	٤٨	١	مکھرے	بکھڑے
٣٣	٣	کہ	کو	٥٢	٤	ایک	سمجھتے ایک

تصانیف مولانا نذیر احمد دہلوی

مراۃ العروس	۴ر
نبات النعش	۴ر
توبۃ النصوح	۴ر
محصنات (فسانہ مبتلا)	۸ر
ایامٰے	۸ر
رویاے صادقہ	۱۲ر
ابن الوقت	۸ر
مبادی الحکمت	۸ر
چند پند	۴ر

تصانیف خواجہ الطاف حسین حالی

حیات سعدی	عہر
یادگار غالب	عکار
مسدس حالی	۴ر
مجموعۂ حالی نظم	۸ر
شکوہ ہند	۰۲ر

متفرقات

مخزن المفردات	عہر
بستان المفردات	عہر
تذکرہ علما ہند	۱۲ر
تذکرہ علماء حال	۴ر
گلستان سخن (تذکرۂ شعراء)	عکار
سراپا سخن	۱۲ر
خزینۃ الامثال	۷ر

تصانیف دینیہ مولوی اشرف علی صاحب تھانوی

کلید مثنوی معنوی حصہ ۱	عہر
″ حصہ ۲	عہر
تعلیم الدین	۶ر
فروغ الایمان	۲ر
جزاء الاعمال	۱۰ر
اصلاح الرسوم	۴ر
بہشتی زیور گیارہ حصہ فی حصہ	۳ر
نیک بیبیاں	۴ر
اعمال قرآنی ہر سہ حصہ	۴ر
فتاواے اشرفیہ حصہ ۱	۳ر
ایضاً حصہ ۲	۴ر
فردوس آسیہ	عہر
اوراد رحمانی	۲ر

متفرق دینیات

شفاء العلیل ترجمہ قول الجمیل	۶ر
فوز الکبیر فی اصول التفسیر	۶ر
ہدیۂ مجیدیہ ترجمہ تحفہ اثنا عشریہ	عکار
آیات بینات حصہ اول جلد ۱	
″ جلد ۱ حصہ ۲	
″ جلد ۲	
فتاوے عزیزی اردو	عکار
مکتوبات امام ربانی	عہ۱ر
مقامات امام ربانی	۵ر

تصانیف عبدالحلیم صاحب شرر اڈیٹر دلگداز

ملک العزیز ورجنا	۵ر
منصور موہنا	۵ر
حسن انجلنا	۵ر
شہید وفا	۲ر
دلکش حصہ ۱ ۱۰ر حصہ ۲	۱۰ر
دلچسپ حصہ ۱ ۳ر حصہ ۲	۳ر
فردوس بریں	۱۲ر
مقدس نازنین	عہ ۲ر
زیاد و حلاوہ	۱۴ر
یوسف ونجمہ	عہ ر
درگیش نندنی	۴ر
میوۂ تلخ	۳ر
بدر النساء کی مصیبت	۳ر
ایام عرب	عکہ ۶ر
ماہ ملک	عیہ ر
حروب صلیبیہ	عکہ ر
شوقین ملکہ	عہ ۲ر
زوال بغداد	عہ ۴ر
قیس ولیلیٰ	عہ ۴ر

تصانیف مرزا محمد ہادی مرزا

امراؤ جان ادا	۶ر
ذات شریف	۶ر
شریف زادہ	۶ر

تصانیف حکیم محمد علی صاحب اڈیٹر مرقع عالم

جان دہنوریا (عبرت) کامل	عکہ ۱۰ر
جعفر وعباسہ	عہ ۵ر
نیل کا سانپ	عہ ۵ر
اختر وحسینہ ہر دو حصہ	عہ ۱۲ر
حسن سرور	عکہ ۸ر
دیوان دیوی	عہ ۴ر
گورا	عہ

تصانیف منشی سجاد حسین صاحب اڈیٹر اودھ پنچ

کایا پلٹ	۴ر
احمق الذی	۴ر
حاجی بغلول	۴ر
طلسمی فانوس	۸ر
میٹھی چھری	۸ر
پیاری دنیا	۳ر

تصانیف منشی جوالا پرشاد برق

معشوقۂ فرنگ	۱۰ر
آتھیلو	۶ر
روہنی	۶ر
مار آستین	۸ر
مرنالنی	۱۲ر
پرتاب	۱۲ر
بنگالی دلہن	۱۲ر
بروگ	۴ر